آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ قدس سرہٗ

دار الملاک

# ولایتِ غدیر

من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ

# ولایتِ غدیر

آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ قدس سرہٗ

ترجمہ و تلخیص

سید سعید حیدر زیدی

یکے از مطبوعاتِ

دار التقلین

پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳ - کراچی ۷۴۶۰۰ - پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

DARUSSAQLAIN
P.O. Box No. 2133,
Karachi-74600 Pakistan

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نامِ کتاب: ولایتِ غدیر

تالیف: آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ قدس سرہٗ

ترجمہ و تلخیص: سید سعید حیدر زیدی

ناشر: دار الثقلین

تاریخِ اشاعت: محرم ۱۴۳۳ھ، دسمبر ۲۰۱۱ء

قیمت: ۴۵ روپے

# فہرست


عرضِ ناشر ——— ۹

ولایتِ غدیر ——— ۱۱

☆ واقعۂ غدیر ——— ۱۱

اعلانِ ولایت ——— ۱۲

ولایت کے معنی ''حاکمیت'' ہیں ——— ۱۵

☆ ولایت کے لیے حضرت علیؑ کے انتخاب کی وجہ ——— ۱۷

خلافت کے لیے حضرت علیؑ کی اہلیت ——— ۱۹

پیغمبرؐ کا حضرت علیؑ کو اپنی سرپرستی میں لینا ——— ۲۲

علیؑ فرزندِ ایمان ہیں ——— ۲۳

روحانی تربیت ——— ۲۵

ہر دم رسولؐ کے ساتھ ——— ۲۵

جنگوں میں مردِ میداں ——— ۲۷

حضرت علیؑ کے بارے میں احادیثِ رسولؐ ——— ۲۸

علیؑ ایک لائقِ محبت انسان ۳۰
سب کو اُن کی ضرورت ۳۱
علیؑ مجسم حق ۳۳
☆ پیغمبرؐ کے بعد علیؑ کو درپیش مشکلات ۳۴
غصبِ خلافت کے بعد حضرت علیؑ کا ردِّ عمل ۳۶
☆ علیؑ اسلامی اتحاد کے علمبردار ۴۰
امام علیؑ کی ذمے داری ۴۱
حضرت علیؑ کی دینی ذمے داری ۴۳
اگر علیؑ خلیفہ ہوتے ۴۴
☆ حضرت علیؑ کی ولایت لوگوں پر حاکمیت نہیں ایک الٰہی فریضہ ہے ۴۷
رسالت کی فکری تحریک کا جاری رہنا حکومت سے زیادہ اہم بات ہے ۴۸
☆ حضرت علیؑ سے سچی وابستگی ۵۲
اپنی زندگی کو ولایتِ حقہ کے مطابق ڈھالنا ۵۴
علیؑ کے بلند مقام سے عظمت حاصل کی جائے ۵۵
☆ حضرت علیؑ سے محبت اور اُن سے عداوت ۵۷
☆ ہم کس طرح علی کے ہمراہی بن سکتے ہیں؟ ۶۰
☆ حضرت علیؑ کے بارے میں غلو کا مسئلہ ۶۱
☆ علی ابن ابی طالبؑ کے چند اقوال ۶۳
۱۔ حق کے بارے میں غیر جانبداری کی مذمت ۶۳
۲۔ علم حجت ہے ۶۴
۳۔ دوسروں سے پہلے خود کو نصیحت کیجیے ۶۵
۴۔ حقیقت کی تلاش ۶۶

۵۔ حقیقی فقیہ ——— ۶۷
۶۔ علم ودانش خیر ہے ——— ۶۹
۷۔ سُنی ہوئی بات کو عقل سے پرکھو ——— ۷۰
۸۔ دنیا اور آخرت کا نقصان ——— ۷۱
☆ سوال وجواب ——— ۷۳

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ ناشر

شیعہ تاریخ اور عقائد میں حدیثِ غدیر کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ عموماً اِس حدیث کو تمام ہی علمائے اسلام نے قبول کیا ہے، تمام اسلامی مسالک کے علما اِس کی صحت کے قائل ہیں، لیکن ''ولایت'' کے مفہوم، اس کے معنی اور اس کی دلیل پر شیعہ اور اہلِ سنت علما کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیعہ محکم دلائل اور قرائن کی بنیاد پر اِسے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے خود اُن کے بعد حضرت علیؑ کی حاکمیت کا اعلان قرار دیتے ہیں، جبکہ اہلِ سنت کا کہنا ہے کہ اِس حدیث میں رسولِ مقبولؐ نے حضرت علیؑ سے محبت اور اُن کی مدد و نصرت کی تلقین فرمائی ہے۔

زیرِ نظر مختصر کتاب جو آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ قدس سرہٗ کی ایک تالیف کی تلخیص ہے، اِس میں قرآن و حدیث اور تاریخی وقائع کی روشنی میں اِس حدیث کے معنی و مفہوم اور اِس کی دلالت پر گفتگو کرتے ہوئے اِسے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت و حاکمیت پر ایک دلیل قرار دیا گیا ہے، اور اِس حوالے سے دوسرے پہلوؤں پر بھی اظہارِ خیال فرمایا ہے، اور اِس مناسبت سے استفادہ کرتے ہوئے مولا علیؑ کے چاہنے والوں کے اُن سے تعلق اور امامؑ کے کچھ کلمات کی شرح کے ساتھ ساتھ اعلانِ ولایتِ غدیر سے جڑے ہوئے کچھ سوالوں کے جواب بھی دیے گئے ہیں۔

# ولایتِ غدیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَاَهْلِ بَیْتِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَصَحْبِهِ الْمُنْتَجَبِیْنَ وَعَلٰی جَمِیْعِ اَنْبِیَاءِ الْمُرْسَلِیْنَ.

## واقعۂ غدیر

واقعۂ غدیر ایک ایسا واقعہ ہے جو اپنے بارے میں ہر قسم کے رَدِّعمل اور مثبت و منفی نقطہ ہائے نظر کے باوجود پوری تاریخِ اسلام پر اثر انداز ہوا ہے اور اِس نے اُسے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اِس واقعے نے اسلامی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ لہٰذا اِسے ایک ضمنی اور غیر اہم مسئلہ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اِسی طرح تاریخِ اسلام کے مختلف حوادث پر واقعۂ غدیر کے اثرات اور اِس کی وسیع اسلامی حیثیت پر توجہ کیے بغیر اِسے محض ایک مسلکی مسئلہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

واقعۂ غدیر کے مطالعے کے دوران ہم ایسی متعدد روایات دیکھتے ہیں جو شاید تواتر کی حد

قارئین کو کتاب میں جا بجا تکرار کا سامنا ہوگا لیکن اٹھائے گئے موضوعات کی باہمی قربت اور مؤلف کی جانب سے بارہا بعض مسائل پر تاکید اِس کی وجہ ہے۔ امید ہے ہماری دوسری مطبوعات کی طرح یہ تالیف بھی قارئین سے سندِ قبولیت حاصل کرے گی۔

والسلام

☆☆☆

# ولایتِ غدیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَاَهْلِ بَیْتِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَصَحْبِهِ الْمُنْتَجَبِیْنَ وَعَلٰی جَمِیْعِ اَنْبِیَاءِ الْمُرْسَلِیْنَ.

## واقعۂ غدیر

واقعۂ غدیر ایک ایسا واقعہ ہے جو اپنے بارے میں ہر قسم کے رَدِّعمل اور مثبت و منفی نقطہ ہائے نظر کے باوجود پوری تاریخِ اسلام پر اثر انداز ہوا ہے اور اِس نے اُسے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اِس واقعے نے اسلامی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ لہٰذا اِسے ایک ضمنی اور غیر اہم مسئلہ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اِسی طرح تاریخِ اسلام کے مختلف حوادث پر واقعۂ غدیر کے اثرات اور اِس کی وسیع اسلامی حیثیت پر توجہ کیے بغیر اِسے محض ایک مسلکی مسئلہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

واقعۂ غدیر کے مطالعے کے دوران ہم ایسی متعدد روایات دیکھتے ہیں جو شاید تواتر کی حد

تک بھی جا پہنچیں۔ اِن روایات میں (الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ) اِس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزِ غدیر فرمایا کہ: مَن کُنتُ مَولاہُ فَھٰذا عَلیٌّ مَولاہُ. (جس کا میں مولا ہوں، یہ علیؑ اُس کے مولا ہیں)

کتاب ''الغدیر'' کے مؤلف نے ایک گہری علمی تحقیق کے بعد ذکر کیا ہے کہ مختلف طریقوں سے ایک سو دس اصحابِ رسولؐ اور بہت سے تابعین نے اِس حدیث کی روایت کی ہے۔ اِس بنیاد پر اِس روایت کے مستند ہونے کے بارے میں شک، علمی لحاظ سے ایک ناقابلِ قبول بات ہے۔

## اعلانِ ولایت

خداوندِ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس. (اے رسول! آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اِس کے پیغام کو پہنچایا ہی نہیں اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۶۷) نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳)

مفسرین کہتے ہیں کہ پہلی آیت پیغمبرؐ کے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر نازل ہوئی۔ سورج آسمان کے بیچوں بیچ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا کہ خدا کی طرف سے پیغمبرؐ پر وحی نازل ہوئی کہ: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ. (اے پیغمبر! آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ پر خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے)

یہ حکم کیا تھا؟

یہ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا اعلان تھا۔ کیونکہ نزدیک ہے کہ اللہ اپنے رسول کو اپنے پاس بلا لے اور آنحضرتؐ اِس دنیا سے کوچ کر جائیں۔ ایسی صورت میں آپؐ اُمت کو اُس کے

معاملات سنبھالنے اور اُسکی رہنمائی کرنے والے رہبر و رہنما کے بغیر چھوڑ کے نہیں جا سکتے۔ یہ ''ولی'' یہ ''رہبر'' آپ کا نفس اور آپ کا بھائی ہے۔ یہ ایسا فرد ہے جس نے ابتدائے عمر ہی سے آپؐ کے ہمراہ زندگی بسر کی ہے اور جو اخلاق، شخصیت اور علم میں آپ کی تصویر ہے، اِس کا جہاد ایسا جہاد ہے جس کے اعتبار اور قدر و قیمت کی کوئی ایک مسلمان بھی برابری نہیں کر سکتا، اِس پر برتری تو دور کی بات ہے۔

وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ. (اور اگر آپ نے یہ حکم نہیں پہنچایا، تو گویا خدا کی رسالت کو پہنچایا ہی نہیں)

اِس پیغام کو نہ پہنچانا، اِس حکم کا اعلان نہ کرنا، پیغمبر کی رسالت کے لیے خطرہ پیدا کر دے گا۔ اور یہ اِس حد تک خطرناک ہوگا کہ گویا پیغمبرؐ نے اپنی ذمے داری ادا ہی نہیں کی۔ کیونکہ اگر وہ اسلامی معاشرے کو، اُس مشن کو جس کا آپؐ نے آغاز کیا ہے کسی سرپرست، رہبر اور رہنما کے بغیر چھوڑ جائیں، تو اسلام ختم ہو جائے گا، آپ کا مشن مٹ جائے گا۔

اے پیغمبرؐ! اگر آپ کو اِس بات کا خوف ہے کہ لوگ کہیں گے کہ آپؐ نے اُمت کی زمامِ اقتدار اپنے چچازاد بھائی اور داماد کے سپرد کر دی، تو یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا)

اے پیغمبرؐ! جس طرح خدا نے آپ کو دعوت کے ابتدائی ایام میں مشرکین اور منافقین کے حملوں سے بچائے رکھا، اب اِس دعوت کے اختتامی مرحلے میں بھی آپ کی اُسی طرح حفاظت کرے گا۔

بزرگ صحابیٔ رسول ابوسعید خدریؓ کے بقول: غدیر کے دن آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ لوگ اپنی سواریوں سے اتر جائیں۔ یہ حکم سُن کر لوگوں کو تعجب ہوا، کیونکہ یہ قافلے کے پڑاؤ کا وقت نہ تھا، اِس مقام پر کوئی سایہ دار جگہ بھی نہ تھی۔

لوگ اپنی سواریوں سے اتر گئے، اونٹ کی کاٹھیوں سے ایک منبر تیار کیا گیا۔ پیغمبرؐ اِس پر کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کا ہاتھ بلند کیا، یہاں تک کہ اِن دونوں حضرات کی بغلوں کی سفیدی

نمایاں ہوگئی۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اَیُّھَا النَّاسُ! یُوْشَکُ اَنْ اُدْعٰی فَاُجِیْبُ، اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ؟ قَالُوْا: اَللّٰھُمَّ بَلٰی، فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ، ثُمَّ قَالَ: اَلَا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ، اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ، وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہُ، وَاَدِرِ الْحَقَّ مَعَہُ حَیْثُ دَارَ، اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا: بَلٰی، قَالَ: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ."

"اے لوگو! وہ وقت قریب ہے جب میرا بلاوہ آجائے اور میں خدا کی دعوت قبول کروں۔ کیا میں مؤمنین پر خود اُن سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ پس آپؐ نے فرمایا: بارِالٰہا گواہ رہنا۔ پھر فرمایا: آگاہ رہو کہ جس کسی کا میں مولا ہوں، یہ علیؑ اُس کے مولا ہیں۔ بارِالٰہا جو اِنھیں (علیؑ کو) دوست رکھے، تو اُسے دوست رکھ۔ اور جو کوئی اِن سے دشمنی رکھے، تو بھی اُس سے دشمنی رکھ۔ اور جو کوئی اِن کی مدد کرے، تو اُس کی مدد فرما۔ اور جو کوئی اِن کو چھوڑ دے، تو اُسے چھوڑ دے۔ اور حق کو وہاں قرار دے جہاں یہ ہوں۔ پھر (آپؐ نے لوگوں سے) فرمایا: کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں۔ فرمایا: بارِالٰہا گواہ رہنا۔"

(بحارالانوار۔ ج ۴۔ ص ۲۰۳)

بعد میں بعض لوگوں نے: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ.... کی وضاحتیں شروع کر دیں اور اِس کے یہ معنی کیے کہ: جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ علیؑ سے محبت کرے، جو کوئی میرا مددگار رہے، وہ علیؑ کا مددگار بنے۔ اور زور دینے لگے کہ یہی ولایت کے معنی ہیں۔

جب کسی کلمے کے متعدد معنی ہوں، تو پہلا جملہ دوسرے جملے کی وضاحت کرتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے تمہیدی کلمات، جن میں آپؐ نے فرمایا کہ: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ؟ (کیا میں مؤمنین پر خود اُن سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟) سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر کہنا چاہتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے مجھے ولایت عطا کی ہے، جس کی بنیاد پر میں مؤمنین پر خود اُن سے

زیادہ حق رکھتا ہوں، پس جس کسی پر میں اُس سے زیادہ حق رکھتا ہوں، یہ علیؑ بھی اُس پر اُس سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ وہ ولایت جو خداوندِ عالم نے مجھے عنایت فرمائی ہے، میں خدا کے حکم سے اپنے بعد وہ ولایت علیؑ کے سپرد کر رہا ہوں۔ جب آنحضرتؐ یہ پیغام پہنچا چکے، تو اِس کے بعد جبرئیل خدا کی طرف سے یہ خبر لے کر نازل ہوئے کہ: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ . (آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا ہے)۔ یعنی اِس سے پہلے دین ناقص تھا، اب جب ولایت کا اعلان ہو گیا ہے، تو ولایت کی برکت سے دین کامل ہو گیا: وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْــــنًـــــا . (اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳) لہٰذا اب اِس سچی ولایت کے ہمقدم ہو جاؤ جو خداوندِ عالم کی جانب مسلمانوں کی رہبری کرتی ہے۔

## ولایت کے معنیٰ ''حاکمیت'' ہیں

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ .... سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ولایت سے مراد ''حاکمیت'' ہے۔ کیونکہ اگر یہاں لفظ ''مولیٰ'' سے مراد حاکمیت نہ ہوں، تو پیغمبر کی اُس تمہید کا موضوع سے کوئی ربط قرار نہیں دیا جا سکے گا۔

پھر اِس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ. (بارِالٰہا! جو کوئی اس سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت فرما)۔ اِس مقام پر پیغمبرؐ کے مدِ نظر وہ حاکم ہے جسے مدد اور نصرت کی ضرورت ہوتی ہے اور جسے اِس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ حق ہر حالت میں اُس کے ساتھ ہو۔

بعض لوگ کوشش کرتے ہیں کہ: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ کی یہ تفسیر کریں کہ: جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ علیؑ سے محبت کرے، جو کوئی میری نصرت کرتا ہے وہ علیؑ کی نصرت کرے۔

ایسے لوگوں کے جواب میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اِتنی سی بات بیان کرنے کے لیے ایسے عظیم اجتماع اور مسلمانوں کو اِس قدر مشقت اور سختی میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی، اسی طرح پیغمبر کی جانب سے علیؑ کے مددگار لوگوں کے حق میں دعا کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ علاوہ

ازایں علیؑ کو تنہا چھوڑ دینے والوں کے لیے روزِ قیامت تنہائی اور رسوائی کا وعدہ دینے کی ضرورت بھی نہ تھی اور نہ ہی یہ ضروری تھا کہ پیغمبرؐ یہ فرماتے کہ: ''جہاں علیؑ جائیں حق وہیں ہوتا ہے۔''

اِس کے بعد جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ نصب کیا گیا' جس میں مسلمانوں نے گروہ در گروہ حاضر ہو کر حضرت علیؑ کی بیعت کی۔ اور اِن مراسم کے اختتام پر پروردگارِ عالم کی جانب سے یہ آیت نازل ہوئی کہ: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳)

اِسی زمانے سے منافقین اور علیؑ سے عداوت رکھنے والے لوگوں نے اِس حقیقت کو مٹانے' اِس میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور اِس میں تحریف کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اِس قسم کے اقدامات صرف زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک محدود نہ تھے' بلکہ خود حضرت علیؑ کے زمانے تک جاری رہے اور اِس بنا پر حضرت علیؑ کو بہت زیادہ تکالیف سہنی پڑیں۔ یہاں تک کہ آپؑ نے اِن مخالفتوں اور کوششوں کے توڑ کے لیے اُن اصحابِ رسول کو گواہی کے لیے طلب کیا جنہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے اِس خطاب کو اپنے کانوں سے سنا تھا اور جو غدیر کے دن وہاں موجود تھے۔(۱)

اگرچہ دشمن اپنے مقاصد کے حصول اور مسلمانوں کے اذہان سے اِس عظیم دن کی یاد مٹانے میں ناکام رہے' لیکن اُن کے اقدامات کا کم از کم یہ نتیجہ ضرور برآمد ہوا کہ وہ غدیر کے بارے میں عام لوگوں کے اذہان کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعض مقامات پر اِس کے اثرات آج تک باقی نظر آتے ہیں۔

---

۱۔ یہاں بظاہر مؤلف کی مراد وہ واقعہ ہے کہ جب اپنے دورِ خلافت میں (یعنی واقعۂ غدیر کے قریب ۲۵ سال بعد) حضرت علیؑ نے کوفہ کے میدانِ رحبہ میں لوگوں کو جمع کیا اور اُنھیں قسم دے کر کہا کہ جس کسی نے روزِ غدیر آنحضرت کو اعلان کرتے دیکھا اور سنا ہو' وہ کھڑا ہو کر گواہی دے۔ اِس پر تیس اصحابِ رسول کھڑے ہوئے' جن میں سے بارہ وہ تھے جو غزوۂ بدر میں بھی شامل رہے تھے' اور اِن سب نے حدیثِ غدیر کی گواہی دی۔ (مترجم)

# ولایت کے لیے حضرت علیؑ کے انتخاب کی وجہ

ہمیں اِس بارے میں غور وفکر کرنا چاہیے کہ اِس منصب کے لیے حضرت علیؑ کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ مقامِ ولایت کے لیے حضرت علیؑ کے انتخاب کی وجہ کیا تھی؟ حالانکہ آپؑ جوان تھے اور آپؑ سے زیادہ عمر کے مسلمان موجود تھے؟ اور ہم جانتے ہیں کہ عرب سرداری کے لیے عام طور پر سن رسیدہ فرد کو ترجیح دیتے ہیں۔

درحقیقت مسئلہ کسی قبیلے کی سرداری کا نہ تھا اور نہ ایک عام حکمراں کے تقرر کا معاملہ تھا۔ بلکہ مسئلہ اسلام کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت کا تھا جو پیغمبر کی رسالت اور اُن کے مشن کو آگے بڑھا سکے۔ ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو علمِ پیغمبرؐ کا حامل ہو۔ تاکہ اسلامی فکر اور تعلیمات کو مسلمانوں کے اذہان میں اِس طرح بٹھا سکے جیسے پیغمبرؐ اُس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسے فرد کی ضرورت کا مسئلہ تھا جس نے راہِ اسلام میں بھرپور جہاد اور کوشش کی ہو اور اسلام جس کی نس نس میں بسا ہوا ہو۔ اور اُس کے نزدیک اسلام کے سامنے دنیا کی اور فریضے کی انجماد ہی کے سامنے قدرت وحکومت کی کوئی حیثیت نہ ہو۔ اِسی طرح ایک ایسے شخص کی ضرورت کا مسئلہ تھا جس سے لوگ سوال کریں اور اُسے کسی اور سے سوال کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

ایسا شخص کون تھا؟

اگر ہم ہر قسم کی فرقہ پرستی، قبیلہ پرستی اور تعصب سے دور ہو کر اُس دور کے ایک ایک مسلمان کی حالت کا جائزہ لیں، تو حضرت علیؑ کے سوا کسی اور کو اِن خصوصیات کا مالک نہیں پائیں گے۔

کیونکہ تمام ہی مسلمان اسلام لانے سے پہلے بت پرستی کیا کرتے تھے، صرف علیؑ وہ واحد فرد تھے جو کبھی بتوں کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوئے۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ نے اُن کی سرپرستی اور تربیت اپنے ذمے لے لی تھی لہٰذا رسولِ خداؐ کی شخصیت اُن کے وجود میں رچ بس گئی تھی۔ اِس بارے میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں: کُنْتُ اَتَّبِعُهٗ اِتِّبَاعَ الْفَصِيْلِ اَثَرَ اُمِّهٖ. (جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے

پیچھے چلتا ہے اُسی طرح میں اُن (رسول اللہؐ) کے پیچھے پیچھے چلا کرتا تھا۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۹۰)۔ علیؑ عبادت و بندگی، دعا و مناجات، فکر و شعور اور صداقت و امانت میں پیغمبر کی مانند تھے۔

علیؑ نے مکہ میں اپنی زندگی کا آغاز راہِ خدا میں جدوجہد کے ساتھ کیا۔ مشرکین، رسولِ کریم کو اذیت و آزار پہنچانے کے لیے بچوں کو آنحضرتؐ کے پیچھے لگا دیا کرتے تھے۔ حضرت علیؑ، حضورؐ کو اِن بچوں سے بچاتے۔ اِس کے بعد شبِ ہجرت پیغمبر کی حفاظت کے لیے انتہائی ہولناک خطرے کے باوجود آنحضرتؐ کے بستر پر سوئے۔ ہجرت کے وقت پیغمبرؐ نے لوگوں کی وہ امانتیں لوٹانے کے لیے جو آپؐ کے پاس موجود تھیں آپؑ ہی کو مقرر کیا۔ لہٰذا پیغمبرؐ کے مدینہ تشریف لیجانے کے بعد آپؑ مکہ ہی میں رہے، تاکہ لوگوں کی امانتیں اُنھیں واپس کریں اور آپؑ یہ ذمے داری ادا کرنے کے بعد مدینہ میں پیغمبرؐ سے جا ملے۔

علیؑ شب و روز پیغمبرؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کے بارے میں پیغمبرؐ نے آپؑ سے فرمایا: اِنَّکَ تَسْمَعُ مَااَسْمَعُ وَتَرٰی مَااَرٰی. (جو چیز میں سنتا ہوں، وہی تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں، وہ تمہیں بھی نظر آتا ہے۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۹۰)

آپؑ پیغمبرؐ کے ساتھ ایک ایسے طالبِ علم کی مانند رہا کرتے تھے جو سب کچھ آپؐ ہی سے سیکھتا تھا۔ پیغمبرؐ نے آپؑ کو علم و دانش کے ایسے ہزار ابواب کی تعلیم دی جن میں سے ہر دروازے سے مزید ہزار دروازے کھولے جا سکتے تھے۔ اِسی بنا پر آپؑ کو پیغمبرؐ کے تمام علم پر عبور حاصل تھا۔

پیغمبرؐ کے دورِ حیات اور آنحضرت کی وفات کے بعد بھی حضرت علیؑ کے بارے میں کسی سے یہ بات نقل نہیں ہوئی کہ آپؑ کو پیغمبرؐ کے سوا کسی اور کی ضرورت محسوس ہوئی ہو اور اُس سے آپؑ نے کوئی سوال کیا ہو۔ آپؑ وہ واحد شخص تھے جو اسلامی تعلیمات کی چلتی پھرتی درسگاہ تھے، جس سے سب علم حاصل کرتے تھے اور اُنھیں کسی سے حصولِ علم کی ضرورت نہ تھی۔

جہاں تک رہی راہِ خدا میں آپؑ کے جنگ و جہاد کی بات، تو آپؑ بدر، احد، احزاب، خیبر اور حنین کی جنگوں کے سورما تھے۔ آپؑ کی شمشیر نے پوری قوت اور اخلاص کے ساتھ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا۔

## خلافت کے لیے حضرت علیؑ کی اہلیت

سوال یہ ہے کہ اصحاب کی اِس قدر زیادہ تعداد کی موجودگی کے باوجود رسولِ کریمؐ نے کس وجہ سے حضرت علیؑ ہی کا انتخاب کیا؟

کیا اِس کا سبب رشتے داری تھی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر کیوں صرف حضرت علیؑ ہی کو اسلامی معاشرے کی قیادت وحاکمیت کے لائق سمجھا؟

ہم جانتے ہیں کہ اسلام کو رسولِ کریمؐ کی فکر، قلب، عمل، عادات اور اخلاق سے ترقی ملی۔ لہٰذا قرآنِ کریم کے ہمراہ پیغمبر اسلام کی شخصیت نبوت کا ایک بنیادی عنصر شمار ہوتی ہے۔ اگر خداوندِ عالم کسی ایسے شخص کو بھیجتا جو قرآنِ کریم کو نہایت سجا سنوار کے پیش کرتا، تو شاید وہ شخص حتیٰ ایک فرد کو بھی جذب نہ کر پاتا۔ لیکن قرآنِ مجید، اِس کتابِ صامت کے ہمراہ ایک ایسا پیغمبرؐ موجود تھا جو بولتی کتاب ہے۔

یہی وجہ ہے جو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ اپنی صفات اور اپنی شخصیت کے معنوی پہلو کے ذریعے تحریکِ اسلامی کو سیدھے اور صحیح راستے پر گامزن کر سکے۔

ہم اصحابِ رسولؐ کے بارے میں تمام تر احترام کے قائل ہونے کے باوجود، ایک مرتبہ پھر یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ وہ کون ہے جو رسولِ کریمؐ کی مانند اِس لیاقت کا حامل ہے، جس کی بنیاد پر وہ اُن کا جانشین بن سکے؟

اگر ہم حضرت علیؑ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر غور وخوض کریں (بعض اُن محققین کی مانند نہیں جو حضرت علیؑ کی شخصیت کے فکری اور عملی پہلوؤں کو چھوڑ کر اُن کی زندگی کے صرف عسکری پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہیں) تو دیکھیں گے کہ صرف علیؑ وہ ہستی ہیں جو پیغمبرؐ کے بعد خلافت کے اہل ہیں۔

اِس لیے کہ اُس دور کے تمام مسلمانوں نے اسلام لانے سے پہلے مختلف اقسام کے شرک آلودہ ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اور وہ بہت سی مشرکانہ رسوم سے متاثر تھے۔ اگرچہ کسی انسان

کے باطن میں بیٹھے ہوئے یہ اثرات اسلام سے اُس کی وفاداری میں حائل نہیں ہوتے' البتہ اُس کی شخصیت میں اسلام کے رچ بس جانے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

امام علی علیہ السلام نے کسی ایسے ماحول میں زندگی بسر نہیں کی جس طرح کے ماحول میں اُس دور کے دوسرے بچے زندگی بسر کرتے تھے اور جس کے اثرات اُن پر پڑتے تھے۔ آپؑ نے پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ زندگی گزاری اور پیغمبرؐ نے بھی رسالت کے لیے مبعوث ہونے سے پہلے ہی اُن کی تربیت کی اور اپنی اخلاقی اور معنوی خصوصیات اُن میں منتقل کیں۔ اُس دور کی وضاحت کرتے ہوئے جس شخص نے سب سے بہترین بات کی ہے' وہ خود علیؑ ہی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا ہے:

"وَقَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِی مِنْ رَسُولِ اللهِ بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ وَالْمَنْزِلَةِ الْخَصِيصَةِ، وَضَعَنِی فِی حِجْرِهِ وَاَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِی اِلَی صَدْرِهِ، وَ يَكْنُفُنِی فِی فِرَاشِهِ وَ يَمَسُّنِی جَسَدَهُ وَيُشِمُّنِی عَرْفَهُ، وَكَانَ يَمْضَغُ الشَّیْءَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيهِ، وَمَا وَجَدَ لِی كَذْبَةً فِی قَوْلٍ، وَلَا خَطْلَةً فِی فِعْلٍ."

"تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہؐ سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام اُن کے نزدیک کیا تھا؟ میں بچہ ہی تھا کہ رسولؐ نے مجھے گود لے لیا تھا۔ وہ مجھے اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے' بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے' اپنے جسمِ مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سُنگھاتے تھے۔ پہلے آپ کسی چیز کو چباتے اور پھر اُس کے لقمے بنا کر میرے منھ میں رکھتے تھے۔ اُنھوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا اور نہ ہی میرے کسی کام میں لغزش اور کمزوری دیکھی۔"(۱)

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی خصوصیات کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۹۰

"وَلَقَدْ قَرَنَ اللّٰہ بِہٖ مِنْ لَدُنْ أَنْ کَانَ فَطِیماً أَعْظَمَ مَلَکٍ مِنْ مَلَائِکَتِہٖ یَسْلُکُ بِہٖ طَرِیْقَ الْمَکَارِمِ ' وَمَحَاسِنَ اَخْلَاقِ الْعَالَمِ ' لَیْلَہٗ وَ نَھَارَہٗ ' وَلَقَدْ کُنْتُ أَتَّبِعُہٗ اِتِّبَاعَ الْفَصِیلِ أَثَرَ اُمِّہٖ ' یَرْفَعُ لِی فِی کُلِّ یَوْمٍ مِنْ اَخْلَاقِہٖ عَلَمًا وَیَأْمُرُنِی بِالْاِقْتِدَاءِ بِہٖ ' وَلَقَدْ کَانَ یُجَاوِرُ فِی کُلِّ سَنَۃٍ بِحِرَاءَ فَأَرَاہُ وَلَا یَرَاہُ غَیْرِی ' وَلَمْ یَجْمَعْ بَیْتٌ وَاحِدٌ یَوْمَئِذٍ فِی الْاِسْلَامِ غَیْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَخَدِیْجَۃَ وَأَنَا ثَالِثُھُمَا ' أَرَیٰ نُوْرَ الْوَحْیِ وَالرِّسَالَۃِ وَأَشُمُّ رِیْحَ النُّبُوَّۃِ ' وَلَقَدْ سَمِعْتُ رَنَّۃَ الشَّیْطَانِ حِیْنَ نَزَلَ الْوَحْیُ عَلَیْہِ (ص) ' فَقُلْتُ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہِ الرَّنَّۃُ ؟ فَقَالَ : ھٰذَا الشَّیْطَانُ قَدْ أَیِسَ مِنْ عِبَادَتِہٖ ' اِنَّکَ تَسْمَعُ مَا أَسْمَعُ ' وَتَرَیٰ مَا أَرَیٰ ' اِلَّا أَنَّکَ لَسْتَ بِنَبِیٍّ وَلٰکِنَّکَ لَوَزِیْرٌ ' وَاِنَّکَ لَعَلٰی خَیْرٍ ."

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ چھٹائی کے وقت ہی سے اللہ نے ایک عظیم المرتبت فرشتے (روح القدس) کو آپؐ کے ساتھ لگا دیا تھا۔ جو انھیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر چلاتا تھا۔ اور میں اُن کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے لگا ہوتا ہے۔ آپ روزانہ مجھے اخلاقِ حسنہ سے روشناس کراتے تھے اور مجھے اُن کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ اور ہر سال (غارِ) حرا میں کچھ عرصے قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی اُنھیں نہیں دیکھتا تھا۔ اُس وقت رسول اللہؐ اور (ام المومنین) خدیجہؓ کے گھر کے سوا کوئی اسلامی گھر نہ تھا' البتہ میں اُن میں تیسرا تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپؐ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی' تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی۔ جس پر میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ یہ کیسی آواز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت کیے

جانے سے مایوس ہو گیا ہے۔ (اے علیؑ) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو، فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں، لیکن میرے وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کے راستے پر ہو۔(۱)

## پیغمبرؐ کا حضرت علیؑ کو اپنی سرپرستی میں لینا

حضرت علیؑ کے بچپن کے آغاز ہی میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُنھیں اپنی آغوشِ تربیت میں لے لینا محض ایک اتفاق نہ تھا۔ حضرت علیؑ کے کئی بھائی تھے لیکن آنحضرتؐ نے اُن میں سے کسی کو منتخب نہیں کیا۔ اُنھوں نے علیؑ کے بھائیوں میں سے صرف اُنہی کا انتخاب کیا اور اُنھیں اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ علیؑ بچپنے ہی سے رسولِ کریمؐ کے ہمراہ رہے۔ جہاں کہیں نبی کریمؐ جاتے، علیؑ اُن کے ساتھ ساتھ ہوتے۔ جہاں کہیں آنحضرت تشریف فرما ہوتے وہیں علیؑ تشریف فرماتے۔ اُس زمانے کے بارے میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ: ''بچپنے میں رسولِ کریمؐ روزانہ اپنی صفات میں سے کوئی صفت میرے سامنے پیش کرتے اور اپنی روش پر میری تربیت کرتے۔'' رسولِ خداؐ کی دو ممتاز صفات صداقت اور امانت ہی کو لے لیجیے، یہ دو صفات حضرت علیؑ کی بھی خصوصیات تھیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث میں ہے کہ: ایک دن آپؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَبْلَغُ بِهِ الْحَظْوَةَ عِنْدَکَ. (مجھے کسی ایسی چیز کی تعلیم دیجیے جس سے آپ کے نزدیک میرا رُتبہ اور بڑھ جائے) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اُنْظُرْ اِلٰی مَا بَلَغَ بِهِ عَلِیٌّ مِنَ الْحَظْوَةِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَافْعَلْهُ، فَاِنَّهُ بَلَغَ ذٰلِکَ بِالصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ. (اُس چیز کو دیکھو اور اُس پر عمل کرو جو رسول اللہؐ کے نزدیک علیؑ کے اُس رُتبے تک پہنچنے کا باعث بنی۔ اُنھوں نے راست گوئی اور امانتداری کے

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۹۰

ذریعے یہ قدر و منزلت حاصل کی)

پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کی تربیت اِس انداز سے کی کہ وہ آپؐ ہی کی مانند ہو جائیں۔ اور اِس طرح اُنھیں اپنے علم سے فیضیاب کیا کہ وہ آپؐ ہی کی طرح سوچنے لگیں' اور اِس طرح عبادت کریں جیسے آپؐ عبادت کیا کرتے ہیں۔

اِس اندازِ تربیت کی جانب خود حضرت علیؑ نے اشارہ فرمایا ہے: کُنْتُ أَتَّبِعُهُ اِتِّبَاعَ الْفَصِيلِ أَثَرَ أُمِّهِ. (میں اِس طرح آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا تھا' جیسے اونٹنی کا بچہ اُس کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۹۰)

اونٹ کا بچہ کبھی اپنی ماں سے دور نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اُس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اِسی طرح علیؑ بھی پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ آپؑ فکر' سوچ' روح' اخلاق اور عادات و اطوار میں ہمیشہ پیغمبر کی تاسی کیا کرتے تھے۔

## علیؑ فرزندِ ایمان

اِس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم و معرفت سے لبریز علیؑ کا بچپن اور اُن کی شخصیت پیغمبر اسلامؐ ہی کی تعمیر کی ہوئی تھی۔ جب پیغمبرؐ نے اُنھیں اسلام کی دعوت دی' تو وہ اِس دعوت پر ایک بچے کی مانند ایمان نہیں لائے تھے۔ کیونکہ بعض مؤرخین کوشش کرتے ہیں کہ یہ باور کرایا جائے کہ علیؑ کا ایمان اُن کا ایک بچکانہ عمل تھا۔ (نہیں' قطعاً ایسا نہیں تھا) علیؑ اُس دور میں ایک ایسے بچے تھے جن کی ذہنیت ایک جوان کی سطح کی ذہنیت تھی۔ کیونکہ جب ہم کسی انسان کو بچہ کہتے ہیں' تو اِس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ کم عمر ہے' بلکہ یہ ہوتے ہیں کہ وہ نادان ہے' کم علم ہے۔

ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو عقل و آگہی کے لحاظ سے باشعور (mature) ہوتے ہیں اور ایسے بوڑھے بھی ملتے ہیں جو عقل و آگہی کے لحاظ سے بے شعور بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔ لہٰذا سن و سال کے لحاظ سے بچہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ ایسا انسان لازماً عقل و شعور کے اعتبار سے بھی بچہ ہی ہوگا۔ اور پھر اگر کسی کے معلم اور استاد رسول اللہؐ ہوں' تو کیا اُس کی کم سنی کے باوجود اُس کے فکر

وشعور کے بارے میں کسی اندیشے اور خدشے کی گنجائش رہے گی؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے علیؑ کو اسلام کی دعوت پیش کرنے سے پہلے ہی' اسلام علیؑ کی روح میں بسا ہوا تھا۔ کیونکہ اسلام رسالت پر مبعوث ہونے سے قبل ہی پیغمبرؐ کی عقل' روح' احساس اور شعور میں موجود تھا۔ اِس لیے کہ خداوندِ عالم نے آپ کو پیغمبری کے لیے تیار کیا تھا۔ لہٰذا یہ کہنے سے پہلے ہی کہ: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (پڑھو اُس پروردگار کا نام لے کر جس نے پیدا کیا ہے۔ سورۂ علق ۹۶۔ آیت ۱) خداوندِ عالم نے اپنی رسالت پیغمبرؐ کے وجود اور اُن کے شعور میں مکمل طور پر بٹھا دی تھی۔

سیرت کے بعض راویوں نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ سے پوچھا گیا: هَلْ اِسْتَشَرْتَ اَبَاکَ عِنْدَمَا آمَنْتَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ؟ (کیا تم نے رسول اللہؐ پر ایمان لاتے وقت اپنے والد سے مشورہ کیا تھا؟) آپؑ نے جواب دیا: اِنَّ اللّٰهَ یَسْتَشِیْرُ اَبِیْ عِنْدَمَا خَلَقَنِیْ. (جب خدا مجھے خلق کر رہا تھا' تو اُس نے میرے والد سے تو مشورہ نہیں کیا تھا) لہٰذا میں خدا' اُس کے پیغمبرؐ اور اُس کی رسالت پر ایمان لاتے وقت کیوں اپنے والد سے مشورہ کرتا؟ اگر یہ روایت صحیح ہو تو جنابِ امیرؑ کا یہ قول اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اِس مسئلے کے تمام فکری اور معنوی پہلوؤں کا علم رکھتے تھے۔

رسالت کے آغاز کے بعد حضرت علیؑ ہمیشہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ اور ایک فرض شناس مسلمان کی مانند رسولِ کریمؐ کی مدد و نصرت کرتے رہے۔ آپؑ نے خود اِس بارے میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور تیاری کے مرحلے میں آپؐ مسلسل اُن کے ہمراہ تھے۔ رسول اللہؐ پر جو بھی آیت نازل ہوتی سب سے پہلے حضرت علیؑ اُسے سنتے اور آنحضرتؐ سے اُس کے معنی اور اُس کے مختلف گوشوں کی تعلیم حاصل کرتے۔ نہج البلاغہ میں اِس نکتے کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپؐ رسول اللہؐ کے پاس وحی کی صدائیں سنتے' جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ: اِنَّکَ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ' وَتَرَیٰ مَا اَرَیٰ. (بے شک جو میں سنتا ہوں' تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں وہ تمہیں بھی نظر آتا ہے۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۹۰)

## روحانی تربیت

یہ حضرت علی علیہ السلام کی علمی اور روحانی تربیت ہی تھی جس نے اُنھیں ہمیشہ رسولِ مقبولؐ کا مطیع و فرمانبردار بنائے رکھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام تشریف لے جاتے تو علیؑ اُن کے پیچھے دائیں طرف اور خدیجہؑ اُن دونوں کے پیچھے نماز پڑھا کرتیں۔ ایک مرتبہ یہ دیکھ کر حضرت ابوطالبؑ نے جعفرؑ سے کہا: بیٹا اپنے چچازاد بھائی کے پیچھے نماز پڑھو۔

حضرت علیؑ عبادت کے دوران رسولِ مقبول کو تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ آپؑ فرماتے تھے کہ: ''اسلام کا پہلا گھر، وہ گھر تھا جس میں وہ، پیغمبرؐ اور خدیجہؑ رہا کرتے تھے۔'' اِس گھرانے کے افراد کے باہمی تعلق کی وجہ صرف خاندانی رشتے داری نہ تھی، بلکہ اُن کے تعلق کا سبب اسلام تھا۔ مراد یہ ہے کہ اُن سب نے اِس دین کی ذمے داریاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ رسول اللہؐ دعوت کا کام کیا کرتے تھے۔ خدیجہؑ اپنے مال و دولت اور توجہ کے ذریعے رسول اللہؐ کا ساتھ دیتی تھیں اور علیؑ نے اپنی پوری قوت فراہم کردی تھی اور اسلام کے دفاع اور اُسے صحیح راستے پر گامزن رکھنے کے لیے اپنی تلوار اور عقل سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

## ہر دَم رسولؐ کے ساتھ

مکہ میں حضرت علیؑ، پیغمبر اسلامؐ کو اُن بچوں سے بچایا کرتے تھے جو آنحضرت کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ حضرت علیؑ کا شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ پر سونا اِس بات کی علامت ہے کہ پیغمبرؐ ہی آپؑ کے سب کچھ تھے۔ لہٰذا جب رسول اللہؐ نے آپؑ کو یہ ذمے داری سپرد کی، تو علیؑ نے ایک کم سِن جوان کی طرح اپنی ذاتی سلامتی اور تحفظ کے بارے میں آنحضرتؐ سے کوئی سوال نہ کیا، بلکہ آپؐ سے پوچھا کہ: اَوَتَسْلَمُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ (اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپ محفوظ اور سلامت رہیں گے؟) آنحضرتؐ نے جواب دیا: ہاں، اِس طرح میری جان سلامت رہے گی۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ نے کہا: اِذْھَبْ رَاشِدًا مَھْدِیًا۔ (پس بے دھڑک تشریف لے جایئے)

علیؑ نے تمام جنگوں میں پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ جہاد کیا' عبادت کے وقت بھی آپؐ رسول اللہؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔

علیؑ پیغمبر اسلامؐ کی علمی اور فکری شخصیت کا عکس تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہے: عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَلْفَ بَابٍ مِنَ الْعِلْمِ یُفْتَحُ لِیْ مِنْ کُلِّ بَابٍ اَلْفَ بَابٍ. (رسولِ خداؐ نے میرے لیے علم کے ہزار دروازے کھولے' اِن میں سے ہر دروازے سے مزید ہزار دروازے کھلتے ہیں)

شیعہ اور اہلِ سنت' رسول اللہؐ سے ایک معروف حدیث نقل کرتے ہیں' جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا. (میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ بحار الانوار۔ ج ۲۴۔ ص ۱۰۷)

نیز نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ' یَدُوْرُ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ. (علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ' جہاں یہ جاتے ہیں وہیں حق بھی جاتا ہے)

پیغمبر اسلامؐ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ؟ (کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ میرے نزدیک آپ کا مقام موسیٰ کے نزدیک ہارون کے مقام جیسا ہے' صرف اِس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا؟)

جب پیغمبر اسلامؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا' تو حضرت علیؑ نے شکایت کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے کسی کو میرا بھائی کیوں نہیں بنایا؟ اِس پر پیغمبرؐ نے فرمایا: ''تم میرے بھائی ہو'' اور پھر اُنھیں اپنا بھائی قرار دیا۔

## جنگوں میں مردِ میداں

مدینہ تشریف آوری کے بعد میدانِ جنگ علیؑ کے منتظر تھے۔ بدر' احد' خندق' حنین اور خیبر' اِن تمام جنگوں میں علیؑ پیش پیش تھے۔ مسلمانوں کو حاصل ہونے والی عظیم فتوحات میں سب سے

بڑا حصہ آپؑ ہی کا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر حضرت علیؑ کے جہاد کے بارے میں گفتگو فرمائی ہے۔ آنحضرتؐ کے اِس فرمان کی گونج اب بھی ہمیں اپنے گوشِ جاں میں سنائی دیتی ہے کہ: لَا فَتیً اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار . (کوئی جواں مرد نہیں سوائے علیؑ کے اور کوئی تلوار نہیں بجز ذوالفقار کے)

اِسی طرح جنگِ خندق کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کلام کہ: بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہُ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہِ. (کُلِ ایمان کُلِ کفر کے مقابلے پر ہے۔ بحارالانوار۔ ج ۳۹۔ص ۳)

نیز فرمایا: ضَرْبَۃُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبادَۃِ الثَّقَلَیْنِ. (خندق کے دن علیؑ کی ضربت ثقلین کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ بحارالانوار۔ ج ۳۹۔ص ۲)

نیز آنحضورؐ نے فرمایا: لاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلاً یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہُ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہُ، کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ، لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ عَلٰی یَدِہِ. (کل میں پرچم ایک ایسے فرد کو دوں گا جو خدا اور اُس کے پیغمبرؐ سے محبت کرتا ہے اور خدا اور اُس کا پیغمبر بھی اُس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ ایسا بہادر ہے جو حملہ کرتا ہے، پیچھے نہیں ہٹتا، اُس وقت تک نہیں پلٹتا جب تک خدا اُس کے ہاتھوں کامیابی عطا نہ کردے)

یہ تمام باتیں اِس نکتے پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ اسلام کی خاطر لڑی جانے والی تمام جنگوں میں لشکرِ حق کی کامیابی کے سلسلے میں حضرت علیؑ کے نمایاں کردار کے معترف تھے۔

## حضرت علیؑ کے بارے میں احادیثِ رسولؐ

حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کی ایک اور تصویر ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین میں تلاش کرتے ہیں۔ جس طرح رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اُس طرح اپنے کسی اور صحابی کے بارے میں نہیں فرمائے۔

اِس حوالے سے کیا مسئلہ صرف جذباتی نوعیت کا تھا' اور آپؐ کے اِن اقوال کی بنیاد محض یہ تھی کہ آپؐ نے علیؑ کی پرورش فرمائی تھی؟

یا وجہ یہ تھی کہ علیؑ آپؐ کے چچازاد بھائی تھے؟

اِس صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ آپؐ کے تو اور بھی بہت سے چچازاد بھائی تھے۔

یا اِن فرامین کا سبب یہ تھا کہ علیؑ آپؐ کے داماد تھے؟

لیکن اِس بات کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی تو اور بھی بیٹیاں تھیں' یوں علیؑ پیغمبرؐ کے واحد داماد تو نہ تھے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذاتی خواہش سے کچھ بھی نہیں کرتے' اور اِس نکتے کی جانب قرآنِ کریم میں اشارہ کیا گیا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. (وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے کلام نہیں فرماتے' سوائے اُس وحی کے جو اُن پر اتاری جاتی ہے۔ سورۂ نجم ۵۳۔ آیت ۳' ۴) لہٰذا پیغمبر اسلامؐ کی واحد خواہش اپنی رسالت کی انجام دہی تھی اور آپؐ اخلاص اور اشتیاق کے ساتھ رضائے الٰہی کے طالب تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر کیوں حضرت علیؑ کے بارے میں بارہا کلام فرمایا۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ: أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا. (میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ بحارالانوار۔ ج ۲۴۔ ص ۱۰۷) اور: اَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ مؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ. (تم ہر مؤمن اور مؤمنہ کے ولی و سرپرست ہو) اور: عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍ. (علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ۔ بحارالانوار۔ ج ۲۔ ص ۲۲۶) نیز آپؐ نے فرمایا تھا: أَمَا تَرْضَىٰ أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسىٰ اِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي. (کیا آپ یہ بات پسند نہیں کریں گے کہ میرے نزدیک آپ کا مقام ویسا ہی ہو جیسا موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کا مقام تھا' بس اِس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ بحارالانوار۔ ج ۱۰۔ ص ۴۸۴) قرآنِ کریم نے حضرت موسیٰؑ کے نزدیک حضرت ہارونؑ کے مقام کو یوں بیان کیا ہے: وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ

کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّ نَذْکُرَکَ کَثِیْرًا. (اور میرے خاندان سے میرے لیے ایک وزیر مقرر فرما میرے بھائی ہارون کو اور اِس کے ذریعے میری پشت کو مضبوط فرما اور اِسے میرے کام میں شریک فرما' تاکہ ہم کثرت کے ساتھ تیری تسبیح کریں اور بہت زیادہ تجھے یاد کریں۔ سورۂ طٰہٰ ۲۰۔ آیت ۲۹)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی کثیر تعداد تھی' اور ہم اکابر اصحاب کو انتہائی تکریم اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں' اِس کے باوجود آخر حضرت علیؑ کے بارے میں رسولِ خداؐ کے اِس قدر ارشادات کی کیا وجہ ہے؟ اور اِس معاملے کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں سے فقط یہ چاہتے تھے کہ وہ قلبی طور پر علیؑ سے محبت کریں؟ اِس مقصد کے لیے اِس قدر جدوجہد اور کوشش کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ علیؑ ہر اُس شخص کو اپنی محبت میں گرفتار کر سکتے ہیں جو اُنھیں جانتا اور پہچانتا ہے۔ کیونکہ اُن میں جو روحانی' علمی' جہادی اور انقلابی خصوصیات پائی جاتی ہیں' اُن کی موجودگی میں کسی کے پاس اُن سے محبت کرنے کے سوا کوئی اور راستہ ہے ہی نہیں' مگر یہ کہ اُس کا دل بیمار ہو۔

## علیؑ ایک لائقِ محبت انسان

ہمارے پاس علیؑ سے محبت کے سوا کوئی اور راستہ ہی نہیں۔ انسان کوئی بھی ہو' چاہے شیعہ ہو' سنّی ہو یا عیسائی' اگر حضرت علیؑ کی تمام معنوی خصوصیات' اخلاص' جہاد اور علم سے واقف ہو' تو اِس عظیم شخصیت کے سامنے سرِ تعظیم جھکانے پر مجبور ہو جائے گا۔ نبی کریمؐ کے سوا انتہائی مشکل ہے کہ علیؑ کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت مل سکے جس میں یہ تمام خصوصیات یکجا ہوں۔ اِسی بنا پر عیسائی شاعر پولس سلامہ یوں قصیدہ خواں ہے کہ:

یا سماء اشهدی و یا ارض قرّی

واخشعی انی ذکرت علیا

''اے آسماں شہادت دینا اور اے زمین گواہ رہنا اور سر جھکا لینا کہ میں علیؑ کا ذکر

چھیڑ رہا ہوں۔''(۱)

ایسا شخص جو صاحبِ شعور ہو، جو وسیع القلب ہو اور جو ایک انسان کی طرح سوچتا ہو، وہ از خود علیؑ سے محبت کرے گا۔ اُسے اِس محبت کے لیے قرآنِ کریم اور پیغمبر اسلامؐ کی تاکید اور نصیحت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ لاشعوری طور پر اپنی روح، اپنے قلب اور اپنے احساسات کو علیؑ کی جانب مائل محسوس کرے گا، اور انتہائی عشق اور محبت کے ساتھ اُن کے لیے اپنے دل کے دروازے کھول دے گا۔

لہٰذا غدیر کے دن حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان مکمل طور پر ایک قدرتی بات ہے۔ اِسی بنا پر خداوندِ عالم نے اِس موقع پر فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (اے رسول! آپ اُس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۶۷)

اے پیغمبرؐ! آپ پر آپ کے پروردگار کی جانب سے نازل ہونے والا پیغام یہ ہے کہ علیؑ کی ولایت کو قائم کر دیجیے۔ کیونکہ ولایت کا مسئلہ صرف ایک قانونی حکم نہیں ہے، جس میں تاخیر و التوا اور سستی کی گنجائش ہو۔ بلکہ یہ اسلام کے مستقبل اور اُس کی آئندہ پیشرفت سے تعلق رکھنے والا مسئلہ ہے۔ وہ اسلام جس کے لیے ایک ایسے رہنما کی قیادت ضروری ہے جو تمام میدانوں اور ہر پہلو میں رسولِ مقبولؐ کی قیادت کا تسلسل ہو، تاکہ یہ سلسلہ یوں ہی جاری و ساری رہے۔

## سب کو اُن کی ضرورت

اگر بات صرف اتنی ہو کہ لوگوں کی قیادت اور معاشرے کے نظم و نسق کے لیے ایک فرد کو ایک حاکم کا جانشین بننا ہے، تو اِس مقصد کے لیے کسی غیر معمولی شخص کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایک ایسا

---

۱۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب بھی اسی انداز میں کہتے ہیں:

کس سے ہو سکتی ہے مدّاحیِ ممدوحِ خدا　　کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں

فرد درکار ہوگا جس میں مناسب اور معقول صلاحیتیں پائی جاتی ہوں۔لیکن دین اسلام میں یہ معاملہ مختلف نوعیت رکھتا ہے۔ کیونکہ خداوندِ عالم نے اپنے پیغمبر کو ایک دین کے ہمراہ بھیجا ہے اور اِس پر قرآنِ کریم کو نازل کیا ہے' تا کہ وہ اسلام کو لوگوں کی روح اور اُن کے نفوس میں بٹھا سکے۔ لہٰذا پیغمبرؐ کے بعد بھی ایک ایسا ہی شخص اُن کا جانشین ہونا چاہیے جو اُسی خوبصورتی' فہم وفراست' خوش روئی' کشادہ دلی اور اُسی اخلاق کے ہمراہ معاملات کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے' تا کہ یہ تحریک اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ مشرکین پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ موقع نہیں دیتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو شعور دیں' اُن کی روح اور نفوس میں اسلام کو پختہ کریں اور تمام میدانوں میں اسلام کے فروغ کے لیے اپنے منصوبوں کو جامۂ عمل پہنائیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ ایک ایسا رہبر موجود ہو جو پیغمبر کی تحریک کو مکمل کرے۔ اِس رہبر کے لیے لازم تھا کہ وہ وسیع علم ودانش کا مالک ہو۔ تا کہ یہ علم ودانش پیغمبرؐ ہی کی مانند اُسے ہر سوال کرنے والے کا جواب دینے کے قابل بنائے۔

اِسی طرح اُسے اِس صلاحیت کا مالک بھی ہونا چاہیے کہ مختلف چیلنجوں کا سامنا ہونے پر وہ دوسروں کی مدد کا محتاج نہ ہو۔ بلکہ اِس کے برعکس اُسے ایسا ہونا چاہیے کہ تمام لوگ کم از کم علمی مسائل میں اُس کے محتاج ہوں۔ جب (مشہور عربی لغت ''العین'' کے مؤلف) خلیل بن احمد فراہیدی سے کہا گیا کہ: تم نے علیؑ کا انتخاب کیوں کیا ہے؟ تو اُس نے اِسی جانب اشارہ کیا اور کہا: اِحْتِیَاجُ الْکُلِّ اِلَیْہِ وَاسْتِغْنَاءُہُ عَنِ الْکُلِّ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّہُ اِمَامُ الْکُلِّ. (ہر ایک کو اُن کی ضرورت ہونا اور اُن کا ہر ایک سے بے نیاز ہونا' اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب کے امام ہیں)

واقعاً کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ علیؑ نے کسی سے سوال کیا ہو۔ جبکہ سب جانتے ہیں کہ اُن کے پیشرو خلفا کو اُن کی ضرورت رہا کرتی تھی۔

تاریخ میں پڑھتے ہیں اور تمام مسلمانوں نے اِس بات کو بیان کیا ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ: لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَکَ عُمَرُ. (اگر علی نہ ہوتے' تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ بحار الانوار۔ ج ۴۰۔ ص ۲۹۸) اور کبھی کہتے تھے: لَا اَبْقَانِیَ اللّٰہُ لِمُعْضَلَةٍ لَیْسَ لَهَا

اَبُوالْحَسَنِ. (خدا نے مجھے کسی ایسی مشکل میں نہیں ڈالا جس کے حل کے لیے علی موجود نہ ہوں)

اِس بنیاد پر اسلام کو ایک ایسے فرد کی ضرورت تھی' جو اپنی عقل و دانش' معنویت و روحانیت' قوت و صلاحیت' مستعدی و فعالیت اور آمادگی اور اخلاص کے ذریعے اسلام کو مستحکم کرے۔ اور اِن میدانوں میں کوئی علیؑ کا ہم پلہ نہ تھا۔ اور ولایت کے لیے ایک ایسے انسان کی ضرورت تھی جو مکمل طور پر نفسِ رسولؐ ہو اور آیۂ مباہلہ کہتی ہے کہ: فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُم. (پس اِن سے کہہ دیجیے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزندوں' اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں۔ سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۶۱) اِس آیت کے مطابق علیؑ نفسِ رسولؐ یا جانِ رسولؐ تھے۔

## علیؑ مجسم حق

علیؑ سرتاپا حق تھے۔ جب ہم اُن کے فکر و شعور' احساسات' اخلاق' سیرت اور عبادت کا بغور مطالعہ کرتے ہیں' تو اُنھیں خداوندِ عالم کا شیفتہ اور عاشقِ الٰہی پاتے ہیں۔ ایک ایسا عشق جس کی کوئی حد اور سرحد نہیں۔

علیؑ اپنی مناجات میں یوں گویا ہوتے ہیں: فَهَبْنِيْ يَا اِلٰهِيْ وَسَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ وَرَبِّيْ' صَبَرْتُ عَلٰى عَذَابِكَ' فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلٰى فِرَاقِكَ؟ (بارِالٰہا' میرے آقا' میرے مولا' میرے پروردگار! اگر میں نے تیرے عذاب پر صبر کر بھی لیا' تو بھلا کس طرح تیری دوری اور تیرے فراق کو برداشت کر سکوں گا؟)

عاشق اپنے معشوق کے فراق' اُس سے دوری اور اُس سے فاصلے کی تاب نہیں رکھتا۔

وَهَبْنِيْ صَبَرْتُ عَلٰى حَرِّ نَارِكَ' فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَنِ النَّظَرِ اِلٰى كَرَامَتِكَ؟ (بارِالٰہا! مانا کہ میں تیرے جہنم کی تپش کو برداشت کر لوں گا' لیکن بھلا کس طرح برداشت کروں گا کہ تو مجھ سے اپنی نگاہِ لطف و کرم کو پھیر لے؟)

جب ہم حضرت علیؑ کے بارے میں غور و فکر کریں اور اُنھیں ''کون برتر ہے'' کی بے معنی

اور فضول بحثوں سے باہر نکال لیں، تو اِس جانب متوجہ ہوتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد کوئی علیؑ سے موازنے کے قابل ہی نہیں اور فضائل میں کوئی علیؑ کی نظیر ہی نہیں۔

ہم یہ باتیں اِن کی محبت، اِن کے عشق یا اِن کے بارے میں تعصب سے مغلوب ہو کر نہیں کر رہے۔ بلکہ اِن باتوں پر ایک حقیقت کے طور پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے درمیان بجز نبیؐ کے علیؑ کے سوا کوئی ایسا شخص تلاش نہیں کیا جا سکتا جس کے دل اور روح میں اسلام نے اِس طرح نفوذ کیا ہو اور عمل میں جہاد، معنویت، تواضع اور جو کچھ اسلام سے تعلق رکھتا ہے تمام معنی میں وہ اِس کا آئینہ دار ہو۔ کیونکہ وہ تمام خوبیوں کے حامل ہیں اور اِس امر میں کوئی اُن کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکا۔

اِس سے پہلے اپنی گفتگو میں ہم نے اِس امر کا تذکرہ کیا تھا اور کہا تھا کہ کیوں صرف علیؑ یہ لیاقت رکھتے ہیں، کوئی اور اِس اہلیت کا حامل نہیں؟ اب یہاں ہم اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اِس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اپنی رسالت کے ابلاغ کے بعد اپنے تمام منصوبوں کو (جن میں بڑی تعداد میں لوگوں کو توحید کی دعوت، ساری دنیا میں اسلام کا فروغ اور خود مسلمانوں کے وجود میں ایمان کو راسخ کرنا شامل تھا) پوری طرح جامۂ عمل نہیں پہنا سکے تھے۔ کیونکہ اِن منصوبوں کی تکمیل میں بکثرت جنگیں مانع رہیں۔ نیز خود مدینہ میں منافقین اور یہودیوں کی طرف سے پیدا کردہ داخلی مشکلات اور اِسی طرح مکہ کی بے پناہ صعوبتیں پیغمبرؐ کے بہت سے منصوبوں کے جامۂ عمل پہننے میں رکاوٹ بنیں۔ لہٰذا لازم تھا کہ پیغمبرؐ کے بعد علیؑ جیسی کوئی شخصیت اُن کے ادھورے منصوبوں کو آگے بڑھائے۔

## پیغمبرؐ کے بعد علیؑ کو درپیش مشکلات

پیغمبرؐ کے بعد حضرت علیؑ کو سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؑ اپنے آپ کو تن تنہا محسوس کرتے تھے۔ تنہا سوچتے، تنہا تکالیف برداشت کرتے اور تنہا ہی خطرات کا سامنا کرتے۔

آپؑ جانتے تھے کہ آپؑ کا مقام اُس میخ کا سا ہے جس کے گرد چکّی گھومتی ہے اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ چکّی کی یہ میخ یا کلّی ایک ہی ہوتی ہے۔ وہ اِس بات پر یقین رکھتے تھے کہ علم و معرفت کا پاک و پاکیزہ چشمہ آپؑ ہی کے وجود سے جاری ہوتا ہے اور آسمانِ علم و دانش کے کسی پرندے میں مجال نہیں کہ وہ اُن کے علم و دانش کی بلندیوں تک پہنچ سکے۔ علیؑ اپنے بھرپور علم و دانش سے خوب آگاہ تھے۔ لیکن اُنھیں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا تھا جو اِس چھلکتے ہوئے دریائے علم سے فیض اٹھا سکے۔ اور یہ بات آپؑ کو مسلسل کرب اور غم واندوہ میں مبتلا رکھتی تھی۔ آپؑ خود فرماتے ہی: هَا اِنَّ هَا هُنَا لَعِلْماً جَمًّا (وَاَشَارَ بِيَدِهِ اِلى صدره) لَوْ أَصَبْتُ لَهُ حَمَلَةً. (دیکھو یہاں {حضرتؑ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا} علم کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ کاش! اِس کو لینے والے مجھے مل جائیں۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۱۴۷)

اپنے علم کا بوجھ اٹھانے کے لیے آپؑ کا ایسے افراد کو طلب کرنا' اُنھیں تلاش کرنا' اِس لیے نہ تھا کہ آپؑ اپنے علم کو اپنی برتری اور اقتدار کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ بلکہ آپؑ طالبِ علموں کے متلاشی اِس لیے تھے تاکہ اُن کے ذریعے اپنے علم و دانش کو آئندہ نسلوں تک منتقل کر سکیں۔ اِسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ علیؑ اپنی قوم اور اپنے زمانے میں تن تنہا رہے۔ اور آپؑ کی ایک سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ آپؑ ایک ایسے معاشرے میں زندگی بسر کر رہے تھے جسے آپؑ کے مقام و منزلت کا ادراک ہی نہ تھا۔ اِس بات کی گواہ آپؑ کی وہ گفتگو ہے جو آپؑ نے (خلیفۂ ثانی کی جانب سے قائم کردہ) شوریٰ اور اُس سے متعلق مسائل پر فرمائی: فَيَا لَلّٰهِ وَلِلشُّوْرَى' مَتَى اعْتَرَضَ الرَّيْبُ فِيَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْهُمْ حَتّٰى صِرْتُ أُقْرَنُ اِلٰى هٰذِهِ النَّظَائِرِ' لٰكِنِّي اَسْفَفْتُ اِذْ أَسَفُّوا' وَطِرْتُ اِذْ طَارُوا. (اے اللہ! مجھے اِس شوریٰ سے کیا سروکار! اِن میں سب سے پہلے کے مقابلے ہی میں میرے استحقاق اور فضیلت میں کیا شک تھا' جواب اِن لوگوں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں' تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہو کر اڑنے لگیں' تو میں بھی اِسی طرح پرواز کروں۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۳) یعنی جہاں تک ہو سکے کسی نہ کسی صورت اِن سے نباہ کرتا رہوں۔

حضرت علیؑ نے اسلام کے تحفظ اور اُس کی بقا و سلامتی کے لیے بدترین حالات کا سامنا کیا اور اپنے انفرادی اور ذاتی مسائل سے درگزر فرمایا۔ اگر آپؑ خلافت کے طلبگار تھے، تو یہ اپنے کسی شخصی اور ذاتی مفاد کے لیے نہ تھا۔ بلکہ صرف اور صرف اسلام کی بہتری مقصود تھی۔

اِن حساس حالات میں حضرت علیؑ کو جس مشکل کا سامنا تھا، وہ اسلام کو انحراف کی طرف دھکیلنے والی قوتوں سے اُسے بچانے کی مشکل تھی۔ آپؑ ہر چند ظاہری طور پر اسلام کو دنیا میں فروغ پاتا دیکھ رہے تھے، اِسے مضبوط ہوتا دیکھ رہے تھے، لیکن آپؑ کی خواہش تھی کہ اسلام انسانوں کے شعور میں رچ بس جائے، اُن کی فکر اور سوچ میں جگہ بنائے، اُن کی روح میں اُتر جائے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں قدرتی طور پر اسلام پھیلا۔ پیغمبر اسلامؐ ایمان کے بارے میں فرماتے تھے کہ: مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقِنَ بِهَا مَالُهٗ وَدَمُهٗ وَ عِرْضُهٗ. (جو کوئی یہ کہہ دے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اُس نے اپنے مال و جان اور عزت و آبرو کو امان میں کر لیا) لیکن وہ حقیقتاً ایمان نہیں لایا ہے۔ اِسی طرح اِس بارے میں قرآنِ کریم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ. (یہ دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، تو آپ اِن سے کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لے آئے ہیں، کہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ سورۂ حجرات ۴۹۔ آیت ۱۴)

بہر حال، اپنے زمانے میں رسولِ مقبولؐ کا لائحۂ عمل یہ تھا کہ لوگ شرک سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اِس طرح رفتہ رفتہ ان میں اسلام کی قبولیت کا میدان ہموار ہو۔

## غصبِ خلافت کے بعد حضرت علیؑ کا ردِ عمل

اِسی لیے ولایت (اور مسلمانوں کی حاکمیت) کے لیے حضرت علیؑ کا انتخاب کیا گیا تھا، کیونکہ صرف وہی اِس منصب کے اہل واحد شخص تھے۔ وہی تھے جو لوگوں کو حقیقی اسلام کے فکری، معنوی، شرعی اور عملی پہلوؤں سے روشناس کرا سکتے تھے اور اِس کی بنیاد پر لوگوں کے امور کی باگ

ڈور سنبھال سکتے تھے۔ لیکن اُس دور کے اسلامی معاشرے کے پیچیدہ حالات اس بات کا سبب بنے کہ حضرت علیؑ کو اُن کے مقام سے محروم کر کے کسی اور کو اس منصب پر بٹھا دیا گیا۔

اِس حساس اور پیچیدہ صورتحال میں حضرت علیؑ نے کس ردِعمل کا مظاہرہ کیا؟

کیا اُنھوں نے اپنے حق کی بازیابی کی خاطر حکمرانوں کے لیے مشکلات پیدا کرنی شروع کر دیں؟

یا آپؑ نے اسلام کی مصلحت اور اُس کے مفاد کو ہر چیز پر مقدم رکھا؟

اچھا ہوگا اگر ہم اِن حالات میں حضرت علیؑ کے موقف اور ردِعمل کو خود اُن کے کلام میں تلاش کریں۔ اِس بارے میں آپؑ نے فرمایا:

"حَتّٰی رَأَیْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدْ رَجَعَتْ عَنِ الْاِسْلَامِ یَدْعُونَ اِلٰی مَحْقِ دِیْنِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم) فَخَشِیْتُ اِنْ لَّمْ أَنْصُرِ الْاِسْلَامَ وَأَهْلَهُ أَنْ أَرٰی فِیْهِ ثَلْماً أَوْهَدْماً تَکُونُ الْمُصِیْبَةُ بِهِ عَلَیَّ أَعْظَمَ مِنْ فَوْتِ وِلَایَتِکُمُ الَّتِی اِنَّمَا هِیَ مَتَاعُ أَیَّامٍ قَلَائِلَ، یَزُوْلُ مِنْهَا مَ کَانَ، کَمَا یَزُوْلُ السَّرَابُ، أَوْ کَمَا یَتَقَشَّعُ السَّحَابُ، فَنَهَضْتُ فِی تِلْکَ الْأَحْدَاثِ حَتّٰی زَاحَ الْبَاطِلُ وَزَهَقَ، وَ أَطْمَأَنَّ الدِّیْنُ وَتَنَهْنَهَ۔"

"یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اسلام سے منھ موڑ کر دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مٹا دینے پر تُل گیا ہے۔ مجھے اِس بات کا خوف ہوا کہ کوئی رخنہ یا خرابی دیکھنے کے باوجود اگر میں اسلام اور اہلِ اسلام کی مدد نہ کروں، تو یہ میرے لیے اُس سے بڑی مصیبت ہوگی جتنی تمہاری حکومت میرے ہاتھ سے چلی جانے کی مصیبت، جو تھوڑے دنوں کا اثاثہ ہے، اِس میں کی ہر چیز سراب اور اُن بدلیوں کی مانند زائل ہو جانے والی ہے جو ابھی جمع نہ ہوئی ہوں۔ چنانچہ اِن حالات میں، میں اٹھ کھڑا ہوا، تا کہ باطل نیست و نابود ہو جائے اور دین محفوظ ہو کر

تباہی سے بچ جائے۔"(۱)

اِسی طرح آپؑ کے کلام میں یہ بھی ملتا ہے کہ:

"لَوْلَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَ قِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ، وَمَا أَخَذَ اللهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَنْ لَا يُقَارُّوْا عَلَى كِظَّةِ ظَالِمٍ وَ لَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَأَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلَى غَارِبِهَا، وَلَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَأْسِ أَوَّلِهَا، وَلَأَلْفَيْتُمْ دُنْيَا كُمْ هٰذِهِ أَزْهَدَ عِنْدِيْ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ."

"اگر بیعت کرنے والوں کی کثرت اور مدد کرنے والوں کی موجودگی سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی، اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علما سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم سیری اور مظلوم کی بھوک دیکھ کر سکون و اطمینان سے نہ بیٹھے رہیں، تو میں خلافت کی باگ اُسی کے کاندھے پر ڈال دیتا اور اُس کے آخر کو اُسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اُس کے اوّل کو سیراب کیا تھا اور تم دیکھتے کہ دنیا میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ بے قیمت ہے۔"(۲)

حضرت علی علیہ السلام اپنی ذاتی خواہشات کی تسکین کے لیے حکومت کے مشتاق نہ تھے، بلکہ آپؑ احکامِ الٰہی کے اجرا اور نفاذ کے لیے حکومت کے خواہاں تھے۔ اِس بارے میں آپؑ یوں فرماتے ہیں کہ:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْ كَانَ مِنَّا مُنَافَسَةً فِيْ سُلْطَانٍ وَلَا الْتِمَاسَ شَيْءٍ مِنْ فُضُوْلِ الْحُطَامِ، وَلٰكِنْ لِنَرُدَّ الْمَعَالِمَ مِنْ دِيْنِكَ، وَنُظْهِرَ الْاِصْلَاحَ فِيْ بِلَادِكَ، فَيَأْمَنَ الْمَظْلُوْمُوْنَ مِنْ عِبَادِكَ، وَتُقَامَ الْمُعَطَّلَةُ مِنْ حُدُوْدِكَ."

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ مکتوب ۶۲

۲۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۳

''بارالہا! تو خوب جانتا ہے کہ یہ جو کچھ ہم سے (جنگ و پیکار کی صورت میں) ظاہر ہوا ہے' یہ اِس لیے نہ تھا کہ ہمیں تسلط و اقتدار کی خواہش تھی' یا ہم مالِ دنیا کے طالب تھے۔ بلکہ یہ اِس لیے تھا کہ ہم دین کے نشانات کو (پھر اُن کی جگہ پر) واپس لے آئیں اور تیرے شہروں میں امن و بہبود کی صورت پیدا کریں۔ تا کہ تیرے ستم رسیدہ بندوں کو کوئی فکر اور خوف نہ رہے اور تیرے وہ احکام (پھر سے) جاری ہو جائیں جنہیں بے کار بنا دیا گیا ہے۔''(۱)

روزِ غدیر وہ دن ہے جس دن خداوندِ عالم نے اپنے دین کو کامل کیا' اپنی نعمتوں کو وافر انداز میں عطا کیا۔ آج کے دن ہر مؤمن کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے دینی بھائی سے ملاقات کرتے ہوئے کہے کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّکِیْنَ بِوِلَایَةِ عَلِیٍّ وَالْاَئِمَّةِ مِنْ اَهْلِ الْبَیْتِ 'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِکْمَالِ الدِّیْنِ وَ اِتْمَامِ النِّعْمَةِ. (اُس خدا کا شکر جس نے ہمیں علیؑ اور اُن کے اہلِ بیتؑ کی ولایت سے وابستہ کیا' شکر اُس خدا کا جس نے دین کو کامل کیا اور نعمتوں کو اپنی انتہا پر پہنچایا)

واقعۂ غدیر سے یہ سبق حاصل کیا جا سکتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ حضرت علیؑ کی راہ اور اُن کی فکر کی پیروی کرنی چاہیے' اُن کی محبت کو اپنے دل میں پروان چڑھانا چاہیے' ایک لمحے کے لیے بھی اُن سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ولایت کی پیروی اسلام اور قرآن کی پیروی ہے۔ اِسی کے ذریعے ہماری فکری اور معنوی سطح میں بلندی آئے گی اور ہم اپنے دشمنوں کے مقابل کھڑے ہو سکیں گے۔ اِس کے برعکس علیؑ سے جدائی اور علیؑ سے دوری' اسلام' قرآن اور تمام خوبیوں سے دوری کے مترادف ہے۔

اِس نکتے کی جانب حضرت علیؑ نے اپنے ایک خطاب میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''اَلاَ وَاِنَّهُ سَیَاْمُرُکُمْ بِسَبِّیْ وَالْبَرَاءَةِ مِنِّیْ 'فَاَمَّا السَّبُّ فَسُبُّوْنِیْ فَاِنَّهُ

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۲۹

لِیْ زَکَاۃٌ ، وَلَکُمْ نَجَاۃٌ ، وَأَمَّاالْبَرَاءَ ۃُ فَلَا تَتَبَرَّأُوا مِنِّیْ ، فَاِنِّیْ وُلِدْتُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ، وَسَبَقْتُ اِلَی الْاِیْمَانِ وَالْھِجْرَۃِ۔"

''جان لو کہ وہ عنقریب تمہیں مجھ سے بیزاری اور مجھے بُرا بھلا کہنے پر اکسائے گا۔ جہاں تک مجھے بُرا بھلا کہنے کی بات ہے' تو (دشمن کے ظلم وزیادتی سے محفوظ رہنے کے لیے) مجھے بُرا بھلا کہہ دینا۔ اِس لیے کہ یہ میرے لیے درجات کی بلندی کا سبب اور تمہارے لیے (دشمنوں سے) نجات کا باعث ہوگا۔ لیکن (دل سے) ہرگز مجھ سے بیزاری کا اظہار نہ کرنا' اِس لیے کہ میں (دین) فطرت پر پیدا ہوا ہوں' اور سب سے پہلے ایمان لانے اور ہجرت کرنے والا ہوں۔''(۱)

لہٰذا جو کوئی علیؑ سے اظہارِ بیزاری کرے' گویا اُس نے ایمان اور اسلام سے بیزاری اور برائت کا اظہار کیا ہے۔ اسی بنا پر کوئی مسلمان' کوئی اہلِ ایمان' علیؑ سے اظہارِ بیزاری نہیں کرے گا۔ یہی علیؑ کی پیروی کرنے اور اُن کی راہ پر چلنے والے ہر شخص کی راہِ عمل ہونی چاہیے' جس کے ذریعے امت فکری' معنوی اور عسکری لحاظ سے قوت حاصل کرے۔ کیونکہ بزرگ اور معاشرے کی اصلاح کے لیے کوشاں شخصیات کے لیے اہم بات یہ نہیں ہوتی کہ لوگ اُن کے بارے میں کن جذبات کا اظہار کرتے ہیں' بلکہ اُن کے لیے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ لوگ راہِ راست سے بھٹکنے نہ پائیں' اور یہ واقعۂ غدیر میں مدِنظر رکھے گئے اسباق میں سے ایک سبق ہے۔

## علیؑ اسلامی اتحاد کے علمبردار

علی علیہ السلام نے ۲۵ برس تک اُن لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کی جنھوں نے اُنھیں اُن کے حق سے محروم رکھا۔ آپؑ نے اپنی نصیحتوں اور مشوروں کے ذریعے اُن حضرات کی مدد کی۔ اِسی طرح

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۵۷

اہم اور حساس حالات میں ہر ممکن طریقے سے عملی کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر کو کہنا پڑا کہ: لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَکَ عُمَرُ. (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ بحار الانوار۔ ج ۴۰۔ ص ۲۹۸) نیز اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ: لَا کُنْتُ لِمُعْضَلَةٍ لَیْسَ لَهَا اَبُوْالْحَسَنِ. (مجھے کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی جس کے حل کے لیے ابوالحسن (علیؑ) موجود نہ ہوں)

لہٰذا علیؑ وہ پہلے فرد ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اِس وحدت کے معنی یہ نہیں تھے کہ اُنھوں نے اپنے حق سے چشم پوشی کی۔ بلکہ اپنے اِس طرزِ عمل سے آپؑ نے مسلمانوں کو اُس عظیم خطرے کے تدارک کی دعوت دی جو مستقبل میں اسلام کو جڑ سے ختم کر دینے کا باعث بن سکتا تھا۔

اِس بنیاد پر جو شخص بھی عقل، دین اور ایمان کے لحاظ سے اپنے آپ کو اہلِ بیتؑ کی پیروی کا پابند سمجھتا ہے، وہ اسلام و مسلمین کی مصلحت و مفاد کی خاطر تمام مسلمانوں کے لیے اپنے بازو کھلے رکھتا ہے، اُنھیں گلے لگاتا ہے اور اُنھیں پیغام دیتا ہے کہ: تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ (آؤ ایک منصفانہ کلمے پر اتفاق کر لیں۔ سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۶۴) یعنی قرآن و سنت کے مرکز پر جمع ہونے کی جانب قدم اٹھائیں اور اگر امامت و خلافت اور کسی بھی دوسری چیز کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف سر ابھارے، تو اُس کے حل کے لیے خدا اور اُس کے رسولؐ سے رجوع کریں اور باہمی بغض و عداوت اور دشمنی و کینے سے پرہیز کریں۔ کیونکہ اسلام کو ہماری اجتماعی کوششوں، مہارتوں اور فعالیت کی ضرورت ہے۔

## امام علیؑ کی ذمے داری

امام علیؑ کی ذمے داری یہ تھی کہ آپؑ اسلام کو انسانوں کی روح میں اتاریں، انسانی فکر کو اسلامی افکار کی روشنی سے منوّر کریں اور مسلمانوں کے اندر سعی و کوشش کا جذبہ ابھاریں۔ مختصر یہ کہ ایسے انسان تیار کریں جو اسلامی تعلیمات کا جیتا جاگتا نمونہ ہوں، اور جو اِن تعلیمات کی بنیاد پر

انسانی سماج میں اپنی ذمے داریاں ادا کرنے پر تیار ہوں۔

آپؑ خلافت سے محروم کیے جانے کے باوجود اپنی ذمے داریوں کا احساس رکھتے تھے لہٰذا آپؑ نے فرمایا: حَتّٰی رَأَیْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدْرَجَعَتْ عَنِ الْاِسْلَامِ یَدْعُونَ اِلٰی مَحْقِ دِیْنِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم) فَخَشِیْتُ اِنْ لَّمْ أَنْصُرِ الْاِسْلَامَ وَأَهْلَهُ أَنْ أَرٰی فِیْهِ ثَلْماً أَهْدَماً تَکُونُ الْمُصِیْبَةُ بِهِ عَلَیَّ أَعْظَمَ مِنْ فَوْتِ وِلَا یَتِکُمُ الَّتِی اِنَّمَا هِیَ مَتَاعُ أَیَّامٍ قَلَائِلَ، یَزُوْلُ مِنْهَا مَ کَانَ، کَمَا یَزُوْلُ السَّرَابُ، أَوْکَمَا یَتَقَشَّعُ السَّحَابُ، فَنَهَضْتُ فِی تِلْکَ الْأَحْدَاثِ حَتّٰی زَاحَ الْبَا طِلُ وَزَهَقَ، وَ أَطْمَأَنَّ الدِّیْنُ وَتَنَهْنَهَ. (یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اسلام سے منھ موڑ کر دینِ محمد کو مٹانے دینے پر تُل گیا ہے۔ مجھے اِس بات کا خوف ہوا کہ کوئی رخنہ یا خرابی دیکھنے کے باوجود اگر میں اسلام اور اہلِ اسلام کی مدد نہ کروں، تو یہ میرے لیے اُس سے بڑی مصیبت ہوگی جتنی حکومت سے محروم ہو جانے کی مصیبت، جو تھوڑے دنوں کا اثاثہ ہے، اُس کی ہر چیز سراب اور اُن بدلیوں کی مانند زائل ہو جانے والی ہے جو ابھی اکٹھی نہ ہوئی ہوں۔ چنانچہ اِن حالات میں، میں اٹھ کھڑا ہوا، تا کہ باطل نیست و نابود ہو جائے اور دین محفوظ ہو کر تباہی سے بچ جائے۔ نہج البلاغہ۔ مکتوب ۶۲)

حضرت علیؑ کو اپنے دورِ خلافت میں جب کبھی مشکلات اور مسائل کا سامنا ہوتا، تو آپؑ اِس سلسلے میں عوام سے گفتگو فرماتے، لیکن کیونکہ منتشر اور باہم متفرق قوم کے ذریعے درپیش مسائل و مشکلات کو حل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا آپؑ نے خداوندِ عالم سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْ کَانَ مِنَّا..." (بارِالٰہا! تو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں) مُنَافَسَةً فِیْ سُلْطَانٍ وَلَا الْتِمَاسَ شَیْءٍ مِنْ فُضُوْلِ الْحُطَامِ، وَلٰکِنْ لِّنَرُدَّ الْمَعَالِمَ مِنْ دِیْنِکَ، وَنُظْهِرَ الْاِصْلَاحَ فِیْ بِلَادِکَ، فَیَأْمَنَ الْمَظْلُوْمُوْنَ مِنْ عِبَادِکَ، وَتُقَامَ الْمُعَطَّلَةُ مِنْ حُدُوْدِکَ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ أَنَابَ، وَسَمِعَ وَأَجَابَ لَمْ یَسْبِقْنِیْ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ بِالصَّلَاةِ. (یہ اِس لیے نہیں کہ ہمیں تسلط اور اقتدار کی خواہش تھی، یا مالِ دنیا کی طلب تھی، بلکہ یہ اِس لیے تھا کہ ہم دین کے نشانات کو (پھر اُن کی جگہ پر) پلٹائیں اور

تیرے شہروں میں امن و بہبودی کی فضا پیدا کریں تا کہ تیرے ستم رسیدہ بندوں کو کوئی کھٹکا نہ رہے اور تیرے وہ احکام (پھر سے) جاری ہو جائیں جنہیں بے کار بنا دیا گیا ہے۔ اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیری طرف رجوع کیا اور تیرے فرمان کو سن کر لبیک کہا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کسی نے مجھ سے پہلے نماز نہیں پڑھی۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۲۹)

## حضرت علیؑ کی دینی ذمے داری

ممکن ہے یہاں یہ سوال سامنے آئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اُن حساس حالات میں حضرت علیؑ کی اصل اور بنیادی ذمے داری کیا تھی؟

یہ بات واضح ہے کہ رسولِ مقبول کی وفات اور اُن کے دنیا سے گزر جانے کے بعد ضروری تھا کہ ایک ایسا شخص میدان میں موجود رہے جو عقیدے، جذبے اور زندگی کے تمام شعبوں میں رسولِ کریمؐ ہی کی مانند ہو آپؐ ہی کی شخصیت کا عکس ہو اور آپؐ کے مشن کو جاری رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ علیؑ کے سوا کسی اور ہستی میں یہ لیاقت اور اہلیت نہ تھی۔ پس وہی تھے جو ہر سوال کا جواب دے سکتے تھے اور ہر مرحلے کے لیے منصوبے بنا سکتے تھے اور ایک عظیم منزل کی جانب انسانوں کی رہنمائی کر سکتے تھے۔

نہج البلاغہ کے جو اقتباسات ہم نے اب تک پیش کیے، وہ حضرت علیؑ کے گرانقدر علم و دانش کا ایک انتہائی قلیل حصہ ہیں۔ یہ امیر المومنینؑ کے اُن فرمودات اور مکتوبات میں سے چند ایک ہیں جنہیں سید رضیؒ نے نہج البلاغہ میں جمع کیا ہے۔ بدقسمتی سے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے بہت کم فرامین اور مکتوبات ہم تک پہنچے ہیں۔ سید رضیؒ کے اِس احسان پر اُن کے انتہائی شکر و سپاس کے باوجود اُن سے یہ شکوہ کیا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے حضرت علیؑ کا کلام جمع کرتے ہوئے کیوں صرف ادبی پہلو کے حامل کلام کو منتخب کیا۔ اور اِسی وجہ سے امامؑ کے بہت سے خطبات اور کلمات کو مختصر کیا اور اُن کے علمی اور فکری پہلوؤں کو نظر انداز کیا، جبکہ اُمتِ اسلامی کو اُن کے فکری پہلو کی زیادہ ضرورت تھی۔ افسوس کہ آپؑ کے تمام کلمات و فرمودات اکٹھے نہ کیے جا سکے اور

صفحاتِ تاریخ پر باقی نہ رہ سکے۔ کیونکہ آپؑ کا ہر کلمہ غور و فکر سے بھرپور نکات پر مشتمل ہے اور ایک راہِ عمل اور ایک سمت کی جانب انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

حق، علیؑ کے پورے وجود سے جلوہ گر ہے اور اِن دونوں کے درمیان جدائی ممکن نہیں۔ جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے: عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ یَدُورُ مَعَهُ حَیْثُ دَار (علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ، جہاں یہ جاتے ہیں وہیں حق بھی جاتا ہے۔ شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید۔ ج ۲۔ ص ۲۹۷۔ باب ۳۷)

علیؑ کی یہ حقانیت اُن کے تن تنہا رہ جانے اور اُن کی گوشہ نشینی کا سبب بنی۔ اُنھوں نے خود اِس مسئلے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: مَا تَرَکَ لِیَ الْحَقُّ مِنْ صَدِیقٍ. (حق بات کہنے کی وجہ سے میرا کوئی دوست نہیں رہا۔ شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید۔ ج ۳۔ ص ۵۸۔ باب ۴۳) بعض لوگوں نے حضرت علیؑ کے سامنے معاویہ کی ہوشیاری کا ذکر کیا اور آپؑ سے خواہش ظاہر کی کہ آپؑ اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کریں۔ آپؑ نے اُن کے جواب میں فرمایا: وَاللهِ مَا مُعَاوِیَةُ بِأَدْهَی مِنِّیْ، وَلٰکِنَّهُ یَغْدِرُ وَیَفْجُرُ، وَلَوْلَا کَرَاهِیَةُ الْغَدْرِ، لَکُنْتُ مِنْ أَدْهَی النَّاسِ. (خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ ہوشیار نہیں، لیکن وہ عہد و پیمان توڑتا اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگر میں پیمان شکنی کو مذموم نہ سمجھتا، تو میں ہوشیار ترین انسان ہوتا۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۹۸)

## اگر علیؑ خلیفہ ہوتے

اگر علم، معنویت، جہاد اور اخلاص کے لحاظ سے حضرت علیؑ کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے، تو کیا کوئی اُن کا ہمسر اور ہم پلہ مل سکے گا؟ حضرت عمر شوریٰ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حضرت علیؑ کی لیاقت اور اہلیت کا اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں: لَوْ وَلَّیهَا عَلِیٌّ لَحَمَلَهُمْ عَلَی الْمَحَجَّةِ الْبَیْضَاء. (اگر علیؑ اسلامی معاشرے کے حکمراں ہوتے، تو وہ معاشرے کو سعادت اور خوش بختی کی جانب لیجاتے)

امام علیؑ کو اپنے دورِ خلافت میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' شاید اُن کی وجہ اندازِ حکمرانی میں آپؑ کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ وروش پر چلنا تھا۔ کیونکہ آپؑ اِس سلسلے میں کسی اور کی پیروی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپؑ کی تمنا تھی کہ اسلام لوگوں کے قلب اور اُن کی روح میں رچ بس جائے۔ نیز آپؑ ہر قیمت پر حکومت سے چمٹے رہنا نہیں چاہتے تھے۔ جیسا کہ آپؑ نے خود فرمایا ہے کہ: قَدْ یَرَیٰ الْحُوَّلُ الْقُلَّبُ وَجْهَ الْحِیْلَةِ وَ دُونَهَا مَانِعٌ مِنْ اَمْرِاللهِ وَ نَهْیِهِ ' فَیَدَعُهَا رَأْیَ عَیْنٍ بَعْدَالْقُدْرَةِ عَلَیْهَا ' وَ یَنْتَهِزُ فُرْصَتَهَا مَنْ لاَ حَرِیْجَةَ لَهُ فِی الدِّیْنِ. (کبھی کبھی انسان مستقبل میں پیش آنے والے تمام حوادث سے آگاہ ہوتا ہے اور مکر وفریب کے راستوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ لیکن خدا کے اوامر ونواہی اُس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں' اور باوجود یہ کہ اُنھیں (مکروفریب کو) انجام دینے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اُنھیں واضح طور پر ترک کر دیتا ہے۔ لیکن جو شخص گناہ اور دین کی مخالفت کے بارے میں بے پروا ہوتا ہے' وہ دھوکے اور فریب کے مواقع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۴۱)

کچھ لوگوں نے آپؑ سے کہا کہ بیت المال آپؑ کے اختیار میں ہے' آپؑ اُن (قبائلی بزرگوں) کو اِس سے نوازیئے تا کہ آپؑ کی حکومت مضبوط اور مستحکم ہو جائے۔ آپؑ نے اُن لوگوں کو جواب دیا: اَتَاْمُرُوْنِّیْ اَنْ اَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجَوْرِ فِیْمَنْ وُلِّیْتُ عَلَیْهِ ' وَاللهِ لَآاَطُوْرُبِهٖ مَا سَمَرَ سَمِیْرٌ ' وَمَاأَمَّ نَجْمٌ فِی السَّمَآءِ نَجْمًا ' لَوْکَانَ الْمَالُ لِیْ لَسَوَّیْتُ بَیْنَهُمْ ' فَکَیْفَ وَاِنَّمَاالْمَالُ مَالُ اللهِ. (کیا تم مجھے اِس بات کا حکم دیتے ہو کہ میں اپنی کامیابی کے لیے اُن لوگوں پر ظلم وستم کرتے ہوئے جن پر میں حاکم بنایا گیا ہوں' (کچھ لوگوں کی) مدد حاصل کروں؟ خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اور دن اور رات برقرار ہیں اور آسمان پر موجود ستارے ایک دوسرے کے بعد طلوع وغروب ہوتے رہیں گے' میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ اگر یہ مال خود میرا ہوتا تب بھی میں اُسے تمہارے درمیان مساوی تقسیم کرتا' چہ جائیکہ یہ خدا کا مال ہے۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۲۴)

لٰہذا ہمارا عقیدہ ہے کہ بعد از رسولؐ ہر چند متعدد فتوحات کے نتیجے میں مسلمانوں کو کچھ مثبت نتائج بھی حاصل ہوئے' لیکن بہت سے معاملات میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ کیونکہ وہ

اسلامی سلطنت کی حدود کو تو وسعت دینے میں کامیاب رہے، لیکن اُنھوں نے اسلامی تعلیمات کو خود مسلمانوں میں بھی اچھی طرح پختہ کرنے کی طرف توجہ نہ دی۔

اسلام کی کامیابی یہ نہیں کہ اُس کی حکومت زیادہ سے زیادہ وسعت اور قدرت حاصل کر لے، بلکہ اسلام اِس صورت میں کامیاب قرار دیا جائے گا جب وہ مسلمانوں کے قلب و ذہن میں اُتر جائے اور وہ اُس کے ذریعے اسلام کو عالمگیر دین بنائیں اور لوگوں کے طرزِ عمل، انداز و اطوار کو اِس طرح تبدیل کریں کہ اسلام اُن کی فکر، عقیدے، جذبات اور عمل پر اثر انداز ہو۔

امامؑ نے حکومتِ اسلامی کے مثالی حکمرانوں کی صفات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"وَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنَّهُ لاَ يَنْبَغِيْ أَنْ يَكُوْنَ الْوَالِي عَلَى الْفُرُوْجِ وَالدِّمَآءِ وَالْمَغَانِمِ وَالْاَحْكَامِ وَاِمَامَةِ الْمُسْلِمِيْنَ الْبَخِيْلُ، فَتَكُوْنَ فِيْ أَمْوَالِهِمْ نَهْمَتُهُ، وَلَا الْجَاهِلُ فَيُضِلَّهُمْ بِجَهْلِهِ، وَلَا الْجَافِيْ فَيَقْطَعَهُمْ بِجَفَآنِهِ، وَلَا الْحَآئِفُ لِلدُّوَلِ فَيَتَّخِذَ قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ، وَلَا الْمُرْتَشِيْ فِي الْحُكْمِ فَيَذْهَبَ بِالْحُقُوْقِ وَيَقِفَ بِهَا دُوْنَ الْمَقَاطِعِ، وَلَا الْمُعَطِّلُ لِلسُّنَّةِ فَيُهْلِكَ الْاُمَّةَ."

"تم جانتے ہو کہ مسلمانوں کی عزت و ناموس، اُن کی جان، اُن کے مفادات، اُن کے احکام اور اُن کی قیادت کے لیے بخیل اور تنگ نظر حاکم مناسب نہیں۔ کیونکہ ایسے شخص کی نگاہیں مسلمانوں کے مال پر لگی رہیں گی، نیز نہ نادان شخص (مسلمانوں کی حکمرانی کے لیے مناسب ہے) کیونکہ وہ اُنھیں اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہ کر دے گا، اور نہ بداخلاق شخص (اِس منصب کے قابل ہے) کیونکہ وہ اُنھیں اپنی بداخلاقی سے چرکے لگاتا رہے گا، اور نہ مال و دولت کے سلسلے میں بدعنوان شخص (اِس منصب کا اہل ہے) کیونکہ وہ کسی کو تو مال و دولت سے نوازے گا اور کسی کو محروم رکھے گا، اور نہ فیصلہ کرنے میں رشوت لینے والا شخص (مسلمانوں کی حکمرانی کے قابل ہے) کیونکہ وہ لوگوں کے حقوق ضائع کر دے گا، اور نہ سنت کو

معطل کرنے والا شخص (اِس قابل ہے کہ اُسے مسلمانوں کا حکمراں بنایا جائے) کیونکہ وہ اِس طرح امت کو برباد کردے گا۔"(۱)

## حضرت علیؑ کی ولایت لوگوں پر حاکمیت نہیں ایک الٰہی فریضہ ہے

آیۂ کریمہ: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ. کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اِس مسئلے کا جائزہ بتاتا ہے کہ یہاں خداوندِ عالم دراصل حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان چاہتا ہے۔ یہ مسئلہ صرف کسی شخص کو حکومت اور مسلمانوں کے معاملات کا نظم ونسق سپرد کرنے تک محدود نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مشن ایک ایسے شخص کے سپرد کیا جانا چاہیے جس کا قلب وذہن اور پورا وجود اِس مشن میں ڈوبا ہوا ہو۔ اور ایسی شخصیت سوائے علی ابن ابی طالبؑ کے کوئی اور نہیں۔

لہٰذا تعین کے لحاظ سے اِس مسئلے کا جائزہ لینے پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اِس منصب کے لیے حضرت علیؑ کو معین کردیا گیا تھا۔

لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جس صورتحال نے اسلامی معاشرے میں جنم لیا' وہ اِس سے مختلف تھی۔ سقیفہ میں امارت کا مسئلہ پیشِ نظر تھا۔ یعنی مہاجرین اور انصار دونوں اپنے اپنے لیے ایک امیر مقرر کرنا چاہتے تھے۔ جذبات کو مشتعل کرنے والے اِن عوامل اور جزیات سے قطع نظر (جن کا فی الحال ہم تذکرہ نہیں کرنا چاہتے) امارت کی منطق سے یہ سوال اُبھرتا ہے کہ کیا کوئی بھی مسلمان امیر بن سکتا ہے؟ کیا امارت کی ذمے داری قبول کرنے والے فرد کے بارے میں تمام اصحابِ پیغمبرؐ کے درمیان گفتگو ہوئی تھی؟ واضح رہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ علیؑ اور اُن کے ساتھی پیغمبر اسلامؐ کے غسل وکفن میں مصروف تھے' وہ سقیفہ کے

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۲۹

اجلاس میں موجود ہی نہ تھے اُنھیں اُس وقت اِس کا علم ہوا جب بات ختم ہو چکی تھی۔

بالفرض اگر روزِ غدیر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت علیؑ کا انتخاب نہ بھی ہوا ہوتا' تو کم از کم اُنھیں اُن لوگوں میں تو شمار کیا جانا چاہیے تھا جن کے نام خلافت کے لیے پیش کیے گئے تھے۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ سے اپنی مصاحبت اور قرابت کے اعتبار سے اور اپنے علم و جہاد کے لحاظ سے علیؑ عظیم المرتبت اصحابِ رسولؐ میں تو شمار کیے ہی جاتے تھے۔ اِس مقام و مرتبے کے باوجود' کیا یہ بات منطقی تھی کہ مسئلۂ خلافت اٹھے اور اُس کے بارے میں علیؑ سے رائے نہ لی جائے؟!!

اور اگر اِس مسئلے کو شوریٰ کے پہلو سے دیکھا جائے' تو ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا سقیفہ میں جو کچھ پیش آیا' اُسے ایک حقیقی اور واقعی شوریٰ قرار دیا جاسکتا ہے؟

اگر آج کوئی اپنی سیاسی سرگرمی انتخابی (شورائی) طریقۂ کار کے مطابق استوار کرے اور ایسا کرے جیسا سقیفہ میں ہوا تھا' اور قوم کی قیادت کے لیے ایک فرد کو تجویز کرے' تو کیا دوسرے لوگ اِس قسم کے انتخاب کو قبول کریں گے' کیا اِس کے بارے میں مثبت رائے دیں گے؟

## رسالت کی فکری تحریک کا جاری رہنا حکومت سے زیادہ اہم بات ہے؟

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہر صورت میں مسلمانوں کا ایک حاکم ہونا چاہیے۔ نیز صرف اِن کے نظم ونسق اور معاملات و امور کی دیکھ بھال کے لیے ایک شخص کا ہونا بھی کافی نہیں۔ بلکہ مسئلہ اسلامی مشن کا اُسی فکری وصف اور عمدگی کے ساتھ جاری رہنا ہے جس کے لیے رسولِ کریمؐ نے حضرت علیؑ کی تربیت فرمائی تھی۔ تاریخ کی روشنی میں بھی معنویت' خدا کے ساتھ اپنے تعلق اور جہاد فی سبیل اللہ کے لحاظ سے مسلمانوں کے درمیان کوئی ایک فرد بھی علیؑ کی مانند نہ تھا۔

جب ہم خلفا کے دور میں اسلام کے بارے میں احساسِ ذمے داری سے بھرپور حضرت علیؑ کے موقف اور طرزِ عمل کا مشاہدہ کرتے ہیں' تو اُن کی شخصیت کی عظمت اور نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ اُنھوں نے اپنے مُسلّم حق سے محرومی کے باوجود کوئی منفی موقف اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ اُن کی نظر میں اسلام کا مفاد سب سے زیادہ عزیز تھا۔ اور اُنھوں نے ہر دور اور تمام حالات میں' خواہ وہ

آن کا اپنا دورِ خلافت ہو یا اُس سے پہلے کا زمانہ اپنے آپ کو اسلام اور مسلمانوں کا ذمے دار سمجھا۔ یہ نکتہ حضرتؑ کی طرف سے مصر کے لوگوں کے نام لکھے گئے مکتوب سے بھی ظاہر ہے۔ آپؑ نے اس خط میں تحریر فرمایا:

"فَمَا رَاعَنِیْ اِلَّا انْثِیَالُ النَّاسِ عَلٰی فُلَانٍ یُبَایِعُوْنَهٗ، وَاَمْسَکْتُ یَدِیْ حَتّٰی رَاَیْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدْ رَجَعَتْ عَنِ الْاِسْلَامِ یَدْعُوْنَ اِلٰی مَحْقِ دِیْنِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) فَخَشِیْتُ اِنْ لَّمْ اَنْصُرِ الْاِسْلَامَ وَاَهْلَهٗ اَنْ اَرٰی فِیْهِ ثَلْمًا اَوْ هَدْمًا تَکُوْنُ الْمُصِیْبَةُ بِهٖ عَلَیَّ اَعْظَمَ مِنْ فَوْتِ وِلَایَتِکُمُ الَّتِیْ اِنَّمَا هِیَ مَتَاعُ اَیَّامٍ قَلَائِلَ، یَزُوْلُ مِنْهَا مَا کَانَ، کَمَا یَزُوْلُ السَّرَابُ، اَوْ کَمَا یَتَقَشَّعُ السَّحَابُ، فَنَهَضْتُ فِیْ تِلْکَ الْاَحْدَاثِ حَتّٰی زَاحَ الْبَاطِلُ وَزَهَقَ، وَاطْمَاَنَّ الدِّیْنُ وَتَنَهْنَهَ۔"

"مگر ایک دم میرے سامنے یہ منظر آیا کہ لوگ فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کے لیے دوڑ پڑے ہیں۔ اِن حالات میں میں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اسلام سے منھ موڑ کر دینِ محمد کو مٹا دینے پر تُل گیا ہے۔ مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ کوئی رخنہ یا خرابی دیکھنے کے باوجود اگر میں اسلام اور اہلِ اسلام کی مدد نہ کروں تو یہ میرے لیے اس سے بڑی مصیبت ہوگی جتنی تمہاری حکومت میرے ہاتھ سے چلی جانے کی مصیبت، جو تھوڑے دنوں کا اثاثہ ہے اس میں کی ہر چیز سراب اور اُن بدلیوں کی مانند جو ابھی جمع نہ ہوئی ہوں زائل ہو جانے والی ہے۔ چنانچہ ان حالات میں میں اٹھ کھڑا ہوا تاکہ باطل نیست و نابود ہو جائے اور دین محفوظ ہو کر تباہی سے بچ جائے۔"(۱)

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ مکتوب ۶۲

اسی طرح آپؑ نے فرمایا:

"وَوَاللّٰہِ لَاُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ اُمُوْرُالْمُسْلِمِیْنَ ' وَلَمْ یَکُنْ فِیْھَا جَوْرُاِلَّاعَلَیَّ خَاصَّۃً."

"خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم ونسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات ظلم وجور کا نشانہ بنتی رہے گی' میں خاموشی اختیار کیے رہوں گا۔"(۱)

ایک ایسا انسان جو ایثار و درگزر کی اِس حد تک پہنچا ہوا ہو' اُسے اِس کے حق (جو دراصل اُس کا ذاتی اور شخصی حق نہ تھا بلکہ اُمت کا حق تھا) سے دور رکھا گیا۔ لیکن اِس کے باوجود وہ اسلامی معاشرے سے متعلق مسائل اور اسلام کی حفظ وسلامتی کے لیے اُن لوگوں کے شانہ بشانہ مصروفِ کار رہا جنھوں نے اُسے خلافت سے محروم کیا اور اُن کی ضروری رہنمائی بھی کرتا رہا' اُن کے سوالات کے جواب دیتا رہا' یہاں تک کہ حضرت عمر نے اعتراف کیا کہ: لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ. (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا)۔ نیز یہ بھی کہا کہ: لَاابْقَانِیَ اللّٰہُ لِمُعْضَلَۃٍ لَیْسَ لَھَا اَبُوْالْحَسَنِ. (خدا نے مجھے کسی ایسی مشکل میں نہیں ڈالا جس کے حل کے لیے علی موجود نہ ہوں)

امامؑ کے اِس طرزِ عمل کی معراج وہ موقع ہے جب حضرت عمر نے خود فارس کی جنگ کی قیادت کا فیصلہ کیا اور اِس بارے میں حضرت علیؑ سے مشورہ طلب کیا۔ امامؑ نے اِس عمل کی مخالفت کی اور اُنھیں جنگ کے لیے جانے سے منع کیا۔ کیونکہ اِس طرح اُنھیں ایک بڑے خطرے کا سامنا ہوتا۔ یعنی اگر وہ مارے جاتے تو لشکر شکست کھا جاتا۔ امامؑ نے اُن سے فرمایا: اِنَّکَ مَتٰی تَسِرْ اِلٰی ھٰذَاالْعَدُوِّبِنَفْسِکَ فَتُلْقَھُمْ فَتُنْکَبْ لَا تَکُنْ لِلْمُسْلِمِیْنَ کَانِفَۃٌ دُوْنَ اَقْصٰی بِلَادِھِمْ. لَیْسَ بَعْدَکَ مَرْجِعٌ یَّرْجِعُوْنَ اِلَیْہِ. فَابْعَثْ اِلَیْھِمْ رَجُلاً مُجَرَّبًا. (تم اگر خود اُن دشمنوں کی طرف بڑھے اور اُن سے ٹکرائے اور کسی مصیبت میں پڑ گئے' تو اِس صورت میں مسلمانوں کے لیے دور کے شہروں سے پہلے کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا اور نہ تمہارے بعد پلٹنے کی کوئی

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۷۲

ایسی جگہ ہوگی کہ اُس کی طرف پلٹ کر آ سکیں۔ تم (اپنے بجائے) اُن کی طرف کوئی تجربہ کار آدمی بھیجو۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۳۲)۔ لہٰذا حضرت عمر نے ایسا ہی کیا۔

ہم نے اِن باتوں کا تذکرہ اِس لیے کیا ہے تا کہ ہم حضرت علیؑ کی زندگی سے سبق حاصل کریں۔ کیونکہ ہمارے خیال میں حضرت علیؑ کی ولایت پر عقیدہ رکھنے والے بہت سے لوگوں نے اُن کی زندگی سے کوئی سبق نہیں لیا ہے' اُن سے کوئی چیز نہیں سیکھی ہے۔ بلکہ وہ دور سے' فاصلے سے علیؑ کی زندگی کا نظارہ کرتے ہیں۔ اِن کی سوچ' علیؑ کی فکر سے نزدیک نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ زبان سے اُن کا نام لینے کے باوجود ہمارے اندر فکری پسماندگی موجود ہے۔ لہٰذا ہم تنگ نظری اور سطحی نعرے بازی کا شکار ہیں اور روز بروز پیچھے ہی پیچھے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

لہٰذا اِس دور' بالخصوص اِس زمانے میں ہماری مشکل صرف وہ لوگ نہیں ہیں جو اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہیں' بلکہ وہ لوگ بھی کوئی کم مشکل ساز نہیں جو قدامت پرستی کے مسلک پر گامزن ہیں اور اِسی کو اسلام پر مسلط کرنا چاہتے ہیں' اِسی طرح وہ لوگ بھی جو اسلام کا بگڑا ہوا چہرہ پیش کرتے ہیں اور اُس کا تعارف ایک وسیع اور بے کنار مکتب کے طور پر کرانے کی بجائے اُس کا دائرہ کسی انتہائی چھوٹی اور معمولی چیز تک محدود کیے ہوئے ہیں۔

لہٰذا ہمیں آگے بڑھ کر اسلامی فکر اور اسلامی تمدن کا علم حاصل کرنا چاہیے' تا کہ ہم زمانے کے تقاضوں کے تحت اسلام کا تعارف کرانے کی اہلیت حاصل کر سکیں۔ نیز یہ بات ہمارے علم میں آئے کہ زندگی کے لیے جس راہ و روش کو اسلام نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے اُسے کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔

پس ہمیں علیؑ کی شخصیت کا مطالعہ صرف ایک تاریخی شخصیت کے مطالعے تک محدود نہیں رکھنا چاہیے۔ بلکہ اُن کی زندگی کا مطالعہ اِس انداز سے کرنا چاہیے کہ علیؑ کی زندگی فکری اور معنوی اعتبار سے آج کے انسان کی مددگار بن سکے۔

ہماری ترقی اور ارتقا کا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنی فکر' اپنی سیاست' اپنے اقتصاد' اپنے سماج کے انتظام و انصرام' اپنے روابط و تعلقات اور معاشرے کے تمام میدانوں میں نہج البلاغہ کے فرمودات

اور اُس کی تعلیمات کو بروئے کار لائیں۔

# حضرت علیؑ سے سچی وابستگی

ہمیں چاہیے کہ حضرت علیؑ کی پیش کردہ اقدار اور اُن کو عزیز اصولوں کی پابندی کے ساتھ اُن سے وابستگی اختیار کریں۔ اِس بارے میں اُن کا ارشاد ہے کہ: اِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِالْاَ نْبِيَآءِ أَعْلَمُهُمْ بِمَا جَاءُ وْا بِهٖ. (انبیاؑ سے سب سے زیادہ قریب لوگ وہ ہوتے ہیں جو اُن کی لائی ہوئی تعلیمات سے سب سے زیادہ باخبر ہوں۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۹۶) یہ کہہ کر آپؑ نے اِس آیۂ شریفہ کی تلاوت فرمائی کہ: اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا. (یقیناً ابراہیم سے قریب تر لوگ وہ ہیں جو اُن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ لوگ پیغمبر اور صاحبانِ ایمان ہیں۔ سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۶۸)

قربت اور دوستی کا تعلق خاندان اور رشتے داری سے نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ مکتب سے وابستگی اور علم پر عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ اس بنیاد پر کسی شخص کے دوست اور قریبی افراد اُس کے بیوی بچے اور عزیز رشتے دار نہیں ہوتے' بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ نے اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اِنَّ وَلِيَّ مُحَمَّدٍ (ص) مَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَاِنْ بَعُدَتْ لُحْمَتُهُ وَاِنَّ عَدُوَّ مُحَمَّدٍ مَنْ عَصَى اللّٰهَ وَاِنْ قَرُبَتْ قَرَابَتُهُ. (پیغمبرؐ کا دوست وہ ہے جو اللہ کا اطاعت گزار ہے' چاہے وہ رشتے کے لحاظ سے اُن سے کتنا ہی دور ہو۔ اور آپ کا دشمن وہ ہے جو اللہ کا نافرمان ہو' چاہے وہ قرابت داری کے اعتبار سے آپؐ سے کتنا ہی نزدیک ہو۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۹۶)

حضرت نوح علیہ السلام نے خداوندِ عالم کی بارگاہ میں عرض کیا: رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ. قَالَ يَانُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ. (بارالہا! میرا فرزند میرے اہل میں سے ہے اور اہل کو بچانے کے بارے

میں تیرا وعدہ برحق ہے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اے نوح! یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، یہ عملِ غیر صالح ہے۔ سورۂ ہود ۱۱۔ آیت ۴۵، ۴۶)

شاعر کہتا ہے:

کانت مودہ سلمان لھم رحما

ولم یکن بین نوح وابنہ رحم

"اہلِ بیتؑ سے سلمانؓ کی محبت اس بات کا سبب بنی کہ وہ اُن کے اہل شمار کیے گئے لیکن نوحؑ کا بیٹا اُن کا اہل نہ ہو سکا۔"

اس بنیاد پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت کے معنی ہیں اُن کے مشن سے قربت، اُن کی دکھائی ہوئی راہ سے تعلق اور اُن کے کردار سے رشتہ۔ اور اگر کوئی اپنے آپ کو رسول اللہؐ حضرت علیؑ اور اہلِ بیتؑ کا پیروکار کہلوانا چاہتا ہے، تو اُسے چاہیے کہ تقویٰ، اسلام کی راہ میں جہاد، پاکدامنی اور نیکوکاری میں اُن کی پیروی کرے۔

لہٰذا ہمیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کیا ہم نے خدا اور اُس کے رسولؐ کے دین سے وابستگی کے لیے سعی اور کوشش کی ہے؟ کیا پاکدامنی، حرام کاموں سے دوری، افکار و نظریات پیش کرنے میں صداقت اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یگانگت کے قیام کے سلسلے میں کوشش کی ہے؟ جبکہ خداوندِ عالم فرماتا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۱۰۳)

بعض افراد دینی، سیاسی اور اجتماعی امور میں مؤثر کردار کے حامل ہوتے ہیں، لیکن اہلِ بیتؑ سے دوری اور اُن کے ساتھ کمزور وابستگی کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد، خود مکتبِ اہلِ بیتؑ کے پیروکاروں کے درمیان اخوت، بلکہ پورے اسلام اور تشیع کو خود اپنے ہاتھوں نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایسے افراد تشیع، اسلام اور اہلِ بیتؑ کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، لیکن اس بات کو نہیں جانتے کہ اہلِ بیتؑ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ بیتؑ ہم سے خدا ترسی اور اطاعتِ الٰہی کا تقاضا کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم صادق و امین بنیں،

خدا کے راستے پر چلیں۔ جیسا کہ خداوندِ عالم نے اِس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ . (اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے' اِس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ' کیونکہ اِس طرح راہِ خدا سے الگ ہو جاؤ گے۔ اِسی بات کی پروردگار نے تمہیں ہدایت کی ہے کہ شاید اِس طرح تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ سورۂ انعام ۶۔ آیت ۱۵۳)

## اپنی زندگی کو ولایتِ حقّہ کے مطابق ڈھالنا

جب ہم حضرت علی علیہ السلام اور دیگر ائمۂ اطہار علیہم السلام کی ولایتِ حقّہ کو دوسروں پر ثابت کرنا چاہتے ہوں' تو اِس کے معنی یہ نہیں ہونے چاہئیں کہ ہم لوگوں کو اِس کا معتقد بنانے اور اِس عقیدے کے بیان کے دوران مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد اور تفرقے اور انتشار کو ہوا دیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی حفاظت واجب ہے۔ شیعوں کو چاہیے کہ وہ اپنے عقائد کے پابند رہیں' اور دوسرے اپنے عقائد سے وابستہ رہیں۔ اگر کبھی کوئی اختلاف پیدا ہو' تو اِس اختلافی مسئلے کو خدا اور رسولِ خداؐ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔ کیونکہ خداوندِ متعال نے ہم سے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے درمیان کسی بات پر اختلاف پیدا ہو جائے' تو اِسے خدا اور رسول کی خدمت میں پیش کرو اور گفتگو اور مکالمے کے ذریعے یہ دیکھو کہ خدا اور اُس کے رسولؐ نے اِس کے بارے میں کیا فرمایا ہے' کیونکہ خداوندِ متعال نے فرمایا ہے کہ: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ. (اور کسی مؤمن مرد یا عورت کو حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اُس کا رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کر دیں' تو وہ اِس امر میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۶)

ہم جانتے ہیں کہ ولایت کا موضوع ایک بنیادی مسئلہ ہے' جس کا علمی لحاظ سے مفہوم یہ ہے کہ علیؑ کے افکار و نظریات' یعنی خالص اسلامی افکار و نظریات سے استفادہ کیا جائے' نیز علیؑ کے

جہاد اُن کی معنویت، شجاعت، اخلاص، صبر اور آگہی سے مستفیض ہوا جائے اور اِسے فتنہ انگیزی، تنازعات اور باہمی دشمنی کے ذریعے عالمِ اسلام کو کمزور اور غیر مستحکم کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

## علیؑ کے بلند مقام سے عظمت حاصل کی جائے

ایسے حالات میں ہمیں حضرت علیؑ کا سا موقف اختیار کرنا چاہیے۔ وہ ہستی جس نے اسلام کے مفاد اور اُس کی مصلحت کی خاطر اپنی نصیحتوں، مشوروں اور ہدایات کے ذریعے اُن لوگوں کی بھی مدد کی جنھوں نے اُن کا حق پامال کیا تھا۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپؑ اپنے حق سے کنارہ کش ہو گئے تھے، کیونکہ وہ اپنے چھینے جانے والے حق کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جیسا کہ خود اُنھوں نے ارشاد فرمایا ہے:

"وَوَاللّٰهِ لَاُ سْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ أُمُوْرُ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَمْ يَكُنْ فِيْهَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَيَّ خَاصَّةً."

"خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات ظلم و جور کا نشانہ بنتی رہے گی، میں خاموشی اختیار کیے رہوں گا۔"(۱)

حضرت علیؑ نے اہلِ مصر کو لکھے گئے اپنے خط میں ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ اگر اسلام کی مصلحت اور اُس کے مفاد اور ہماری ذاتی خواہشات کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو جائے، تو ایسے وقت میں ہم پر واجب ہے کہ اسلام کے مفاد اور اُس کی مصلحت کو مقدم رکھیں اور عارضی طور پر اپنی ذاتی خواہشات سے چشم پوشی کریں، البتہ اُنھیں مطلقاً نظر انداز نہ کریں۔

"فَمَا رَاعَنِيْ اِلَّا انْثِيَالُ النَّاسِ عَلٰى فُلَانٍ يُبَايِعُوْنَهٗ، وَأَمْسَكْتُ يَدِيْ حَتّٰى رَأَيْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدْ رَجَعَتْ عَنِ الْاِسْلَامِ يَدْعُوْنَ اِلٰى مَحْقِ دِيْنِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) فَخَشِيْتُ اِنْ لَّمْ أَنْصُرِ الْاِسْلَامَ

۱۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۷۲

وَأَهَلَهُ أَنْ أَرَى فِيهِ ثَلْماً أَهَدماً تَكُونُ الْمُصِيبَةُ بِهِ عَلَيَّ أَعْظَمَ مِنْ فَوْتِ وِلَا يَتِكُمُ الَّتِي إِنَّمَا هِيَ مَتَاعُ أَيَّامٍ قَلَائِلَ، يَزُوْلُ مِنْهَا مَ كَانَ، كَمَا يَزُوْلُ السَّرَابُ، أَوْ كَمَا يَتَقَشَّعُ السَّحَابُ، فَنَهَضْتُ فِي تِلْكَ الْأَحْدَاثِ حَتَّى زَاحَ الْبَا طِلُ وَزَهَقَ، وَ أَطْمَأَنَّ الدِّيْنُ وَتَنَهْنَهَ."

''مگر ایک دم میرے سامنے یہ منظر آیا کہ لوگ فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کے لیے دوڑ پڑے ہیں۔ اِن حالات میں، میں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اسلام سے منہ موڑ کر دینِ محمد کو مٹا دینے پر تُل گیا ہے۔ مجھے اِس بات کا خوف ہوا کہ کوئی رخنہ یا خرابی دیکھنے کے باوجود اگر میں اسلام اور اہلِ اسلام کی مدد نہ کروں، تو یہ میرے لیے اِس سے بڑی مصیبت ہوگی جتنی تمہاری حکومت میرے ہاتھ سے چلی جانے کی مصیبت، جو تھوڑے دنوں کا اثاثہ ہے، اِس میں کی ہر چیز سراب اور اُن بدلیوں کی مانند جو ابھی جمع نہ ہوئی ہوں زائل ہو جانے والی ہے۔ چنانچہ اِن حالات میں، میں اٹھ کھڑا ہوا۔ تاکہ باطل نیست و نابود ہو جائے اور دین محفوظ ہو کر تباہی سے بچ جائے۔''(۱)

حضرت علیؑ وہ ہستی ہیں جنھوں نے اپنی تلوار کے ذریعے اسلام کی مدد کی، اِسی طرح آپؑ نے اپنی عقل، فکر، صبر، شعور اور آزاد اندیشی کے ذریعے بھی اس کی مدد کی۔ حضرت علیؑ کے پیروکار افراد کو بھی اپنی خواہشات اور تعصبات میں ڈوبا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اُنھیں دیکھنا چاہیے کہ وہ جس سرزمین پر زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ کس وقت ثبات و استحکام کی مالک ہے اور کب متزلزل اور غیر مستحکم ہے، اور جس فضا میں وہ زندگی بسر کر رہے ہیں، اُس میں دیکھنا چاہیے کہ وہ کب متلاطم ہوتی ہے اور کب پُرسکون۔ لہٰذا ہم سب کو اِس نکتے کی جانب متوجہ رہنا چاہیے کہ وہ طوفان جو مسلمانوں کو نابود کر دینے کے درپے ہے، ہم اُس میں ایک اور طوفان کا اضافہ نہ کریں اور وہ زمین

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ مکتوب ۶۲

جسے زلزلے نے ہلا کر رکھ دیا ہے' اُس پر تعصب کے جھٹکوں کا اضافہ نہ کریں۔ نیز ہم پر لازم ہے کہ ہم رسولِ خداؐ' حضرت علیؑ' امام حسنؑ' امام حسینؑ' دوسرے ائمۂ معصومینؑ اور امامِ زمانہؑ (جنہوں نے اپنی طویل غیبت پر صبر کیا ہے) کی طرح بردباری کا ثبوت دیں' آگاہ اور آزاد اندیش' صابر اور ضبطِ نفس کے مالک بنیں جیسے کہ روایت میں آیا ہے کہ: لَایُقْدِمُ رَجُلاً وَلَا یُؤَخِّرُ اُخْرٰی' حَتّٰی یَعْلَمَ اَنَّ ذَالِکَ لِلّٰہِ رِضًا (مردِ مومن اُس وقت تک قدم نہیں اٹھاتا جب تک یہ نہ جانتا ہو کہ اِس میں خدا کی رضا ہے)

ہمیں اپنی خواہشات اور تعصبات کی پیاس بجھانے ہی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے' بلکہ ہمیں رضائے الٰہی' ایمان' توحید اور اسلام کی جانب توجہ رکھنی چاہیے۔ کیونکہ خدا کی خوشنودی اور رضا سب سے بڑی چیز ہے۔

## حضرت علیؑ سے محبت اور اُن سے عداوت

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے دوستی اور دشمنی کے حوالے سے ابتدا سے آج تک ایک پیچیدگی موجود ہے۔ مراد یہ ہے کہ بعض لوگ آپؑ سے محبت کرتے ہیں' آپؑ سے عقیدت رکھتے ہیں' جبکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو آپؑ سے بغض' دشمنی اور کینہ رکھتے ہیں۔ اِس صورت میں ہمیں چاہیے کہ خود حضرت علیؑ کے نقطۂ نظر سے باہمی دوستی اور دشمنی کے طرزِ عمل کے مختلف طریقوں کا جائزہ لیں' تاکہ اِس کے ذریعے محبت کے صحیح مفہوم کو سمجھ سکیں اور اِس مسئلے کی حقیقت تک پہنچ سکیں کہ آپؑ اُن لوگوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں جو اپنے دل میں آپؑ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اور اُن کا یہ جذبہ اِس قدر شدید ہوتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام خزانوں کے منہ اُن کے لیے کھول دیے جائیں' تب بھی وہ اِس دشمنی اور عداوت سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ اِس بارے میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"لَوْضَرَبْتُ خَیْشُوْمَ الْمُؤْمِنِ بِسَیْفِیْ هٰذَا عَلٰی اَنْ یُبْغِضَنِیْ' مَا

أَبْغَضَنِیْ. وَلَوْ صَبَبْتُ الدُّنْیَا بِجَمَّا تِهَا عَلَی الْمُنَافِقِ عَلٰی أَنْ یُحِبَّنِیْ مَا اَحَبَّنِیْ ،وَذٰلِکَ أَنَّهُ قُضِیَ فَانْقَضٰی عَلٰی لِسَانِ النَّبِیِّ الْاُمِّی(ص) أَنَّهُ قَالَ: یَا عَلِیُّ!لَا یُبْغِضُکَ مُؤْمِنٌ وَلَا یُحِبُّکَ مُنَافِقٌ."

''اگر میں یہ تلوار مؤمن کی ناک پر ماروں کہ وہ مجھ سے دشمنی کرنے لگے' تو وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ اور اگر دنیا کی تمام نعمتیں منافق کے سامنے ڈھیر کردوں' کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگے' تو وہ ہرگز یہ نہیں کرے گا۔ اِس لیے کہ اِس بات کا فیصلہ نبیٔ صادق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے ہو چکا ہے کہ: اے علی! کوئی مؤمن تم سے دشمنی نہیں کرسکتا اور کوئی منافق تمہارا محب نہیں ہوسکتا۔''(۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس بنیاد پر یہ بات کہی ہے؟ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ کسی سے محبت کرنا اور کسی سے بغض وعداوت رکھنا ایک قلبی امر ہے' دل کا معاملہ ہے' جس کے بارے میں عام طور پر کوئی متعین اور معروف اصول نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ بعض اوقات دل کسی ایسے شخص کی محبت میں بھی گرفتار ہو جاتا ہے جو محبت کرنے والے سے اختلافِ رائے رکھتا ہے۔ اِسی طرح بسا اوقات اِس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ اِس بنیاد پر دل کسی متعین اصول اور قاعدے کا پابند نہیں ہوتا' جس کی بنیاد پر وہ عمل کرتا ہو۔ لہٰذا کیا وجہ ہے کہ مؤمن علیؑ سے کینہ وعداوت نہیں رکھتا اور منافق اُن سے دوستی اور محبت نہیں کرتا؟

علیؑ میں کچھ ایسی انسانی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کی بنیاد پر ممکن ہے کہ منافق اُن سے محبت کرے۔ حضرت علیؑ شجاع' عالم' عادل اور بہت سی اعلیٰ انسانی صفات کے مالک شخص ہیں اور لوگ اِنہی صفات وخصوصیات کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

جب ہم دنیا میں محبت اور دشمنی کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں' تو اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ

---

۱۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۴۵

مسئلہ آئیڈیالوجی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ علیؑ سے محبت کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو سادہ قلبی احساسات سے تعلق رکھتا ہو۔ بلکہ اس کا تعلق گہرے فکر و شعور سے ہے۔ کیونکہ علیؑ کا پورا وجود ایمان سے معمور تھا۔ آپؑ کے بارے میں خداوندِ عالم فرماتا ہے: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ . (اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اپنے نفس کو خدا کی خوشنودی کی خاطر بیچ ڈالتے ہیں۔ سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۰۷)

علیؑ نے خدا کے ساتھ اپنی جان کا سودا کیا۔ حضرت علیؑ کے وجود میں اپنے لیے کوئی چیز نہ تھی۔ آپؑ کی فکر، قلب، جد و جہد، شجاعت، زہد، عدل اور علم سب کچھ راہِ خدا کے لیے تھا۔ اور ان میں سے ہر چیز ایمان کے مدار پر گھومتی تھی۔ لہٰذا ایک ایسا مؤمن جو گہرے ایمان کا مالک ہو اور جس کی زندگی اسی راہ پر گامزن ہو، بے شک وہ علیؑ سے محبت کرے گا۔ کیونکہ جب وہ اُس خدا سے محبت کرتا ہے جس پر علیؑ ایمان رکھتے ہیں، جس کی معرفت علیؑ رکھتے ہیں اور جس کی راہ میں وہ جہاد کرتے ہیں، تو لامحالہ وہ علیؑ سے بھی محبت کرے گا اور اگر وہ اسلام سے محبت کرتا ہے، تو لازماً وہ علی سے بھی محبت کرے گا۔

علیؑ اور حق کے درمیان کوئی دوئی اور فاصلہ نہیں۔ لہٰذا ایک ایسا شخص جو حق پر ایمان رکھتا ہے، اُس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ علیؑ پر بھی ایمان رکھے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص حق پر ایمان رکھتا ہے، تو اُسے چاہیے کہ آزادی، غور و فکر اور عشق و محبت کے ساتھ کسی ایسے شخص کی پیروی کرے جو کُلِ ایمان ہے اور علیؑ ایمان کے تمام و کمال کا مظہر ہیں۔

منافق اُسے کہا جاتا ہے جس نے اپنے دل میں کفر کو چھپایا ہوا ہوتا ہے، جس کے دل میں ذرّہ برابر ایمان نہیں ہوتا اور جو اپنے افکار اور عقائد پر پردہ ڈالنے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے، تاکہ عقائد، اعمال اور زندگی کے تمام میدانوں سے ایمان کو جڑ سے ختم کر دے۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایسا شخص علیؑ کا محب ہو؟!!

# ہم کس طرح علیؑ کے ہمراہی بن سکتے ہیں؟

کیا آپ علیؑ کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ علیؑ وہ ہستی ہیں جو حق کا مظہر ہیں۔ پس باطل کو ترک کیجیے۔ کیونکہ علیؑ اور باطل ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ علیؑ کی زندگی میں پائے جانے والے حق کو ذہن میں رکھیں، تاکہ اُن کی ہمراہی اور اُن کی قربت کے حصول کا سلیقہ سیکھ سکیں۔ علیؑ کے نقشِ قدم پر چلنا خدا اور اُس کے رسول کی راہ پر گامزن ہونا ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں: لَیْسَ اَمْرِیْ وَاَمْرُکُمْ وَاحِدًا، اِنِّیْ اُرِیْدُکُمْ لِلّٰہِ، وَاَنْتُمْ تُرِیْدُوْنَنِیْ لِاَنْفُسِکُمْ. (میرا اور تمہارا معاملہ یکساں نہیں ہے۔ میں تمہیں اللہ کے لیے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے ذاتی فائدے کے لیے چاہتے ہو۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۳۴)

آپؑ ہی کا ارشاد ہے: وَاللّٰہِ لَاُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ اُمُوْرُ الْمُسْلِمِیْنَ، وَلَمْ یَکُنْ فِیْھَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَیَّ خَاصَّۃً. (خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات ظلم و جور کا نشانہ بنتی رہے گی، میں خاموشی اختیار کیے رہوں گا۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۷۲)

اِس مقام پر ذرا دیر ٹھہر کر ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا ہم مسلمانوں کے درمیان امن و سکون، صلح و آشتی کے لیے کام کر رہے ہیں؟ یا آئے دن اِن کے درمیان فتنہ و فساد اور باہمی جنگ و جدال کا سامان فراہم کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے، تو نہ یہ اسلام ہے اور نہ شیعیت۔

أَفَیَکْفِی الرَّجُلَ اَنْ یَقُوْلَ اُحِبُّ عَلِیًّا وَاَتَوَلَّاہُ ثُمَّ لَا یَکُوْنُ فَعَالًا؟ (کیا لوگوں کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہم علیؑ سے محبت کرتے ہیں اور اُن کی اتباع کرتے ہیں؟ اور پھر کوئی عمل انجام نہ دیں؟) فَرَسُوْلُ اللّٰہِ خَیْرٌ مِنْ عَلِیٍّ. اَفَحَسِبَ الرَّجُلُ اَنْ یَقُوْلَ اُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یَعْمَلُ بِسُنَّتِہٖ (اور رسول اللہؐ، علیؑ سے بہتر ہیں۔ کیا کوئی شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ کہے کہ میں رسول اللہؐ سے (ولایت) محبت کرتا ہوں، جبکہ وہ اُن کی سنت پر عمل پیرا نہ ہو؟)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: مَنْ کَانَ وَلِیًّا لِلّٰہِ فَھُوَ لَنَا وَلِیٌّ، وَ مَنْ کَانَ

عَدُوٌّ لِلّٰہِ فَھُوَلَنَا عَدُوٌّ وَاللّٰہِ مَا تَنَالُ وِلَا یَتُنَا اِلَّا بِالْوَرَعِ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰہِ. (جوکوئی خدا سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے اور جوکوئی خدا کا دشمن ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ خدا کی قسم ہماری ولایت (محبت) گناہوں سے پرہیز کے سوا کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں ہوسکتی)

## حضرت علیؑ کے بارے میں غلو کا مسئلہ

خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ھَلَکَ فِیَّ رَجُلَانِ: مُحِبٌّ غَالٍ وَمُبْغِضٌ قَالٍ. (میرے بارے میں دو طرح کے لوگ تباہ ہوئے۔ ایک ایسا محب جو محبت میں حد سے بڑھ جائے اور دوسرا ایسا دشمن جو مجھ پر گالم گلوچ پر اتر آئے۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۱۱۷)

بے شک علیؑ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتے تھے۔ اسی لیے آپؑ بارگاہِ الٰہی میں عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے۔ جیسا کہ آپؑ دعائے کمیلؑ میں فرماتے ہیں: وَاَنَا عَبْدُکَ الضَّعِیْفُ الذَّلِیْلُ الْحَقِیْرُ الْمِسْکِیْنُ. (میں تیرا ضعیف، ذلیل، حقیر و مسکین بندہ ہوں)

علیؑ کو خدا کی مخلصانہ عبادت میں عزت اور بزرگی محسوس ہوتی تھی۔ آپؑ کی فکر، آپؑ کے قلب اور آپؑ کے عمل سے خدا کی بندگی اور اس کی عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ کیونکہ انسان جس قدر زیادہ خدا کی عبادت کرتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس سے نزدیک ہوتا چلا جاتا ہے اور اس پر خدا کی عظمت زیادہ سے زیادہ آشکارا ہوتی جاتی ہے۔

ایسے لوگ جو حضرت علیؑ اور ان کی آلؑ کے بارے میں غلو کرتے ہیں، انھیں اپنے بارے میں یہ گمان نہیں ہونا چاہیے کہ وہ محبِ اہلِ بیتؑ ہیں۔ کیونکہ اہلِ بیتؑ کی زندگی اسلام کے لیے تھی۔ وہ خود فرماتے تھے کہ: مَنْ کَانَ وَلِیًّ لِلّٰہِ فَھُوَلَنَا وَلِیٌّ، وَمَنْ کَانَ عَدُوٌّ لِلّٰہِ فَھُوَلَنَا عَدُوٌّ وَاللّٰہِ مَا تَنَالُ وِلَا یَتُنَا اِلَّا بِالْوَرَعِ. (جوکوئی خدا کا دوست ہے، وہ ہمیں بھی اپنا دوست پائے گا، اور جوکوئی خدا کا دشمن ہے، وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔ خدا کی قسم ہماری ولایت (محبت) پرہیز گاری کے بغیر حاصل نہیں ہوتی)

ہم نے بارہا کہا ہے کہ اہلِ بیتؑ صرف اور صرف اسلام کے نمائندہ ہیں، وہ اپنے لیے کچھ نہیں چاہتے۔ اِس بنیاد پر جب ہم اپنی روح اور قلب کو اُن سے محبت پر آمادہ کرتے ہیں، تو ضروری ہے کہ اُن سے اس طرح محبت کریں جس طرح محبت کرنے کا اُنھوں نے ہم سے تقاضا کیا ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے کلام میں بھی ہے کہ: اَحِبُّوْنَا حُبَّ الْاِسْلَامِ. (اسلام کی محبت میں ہم سے محبت کرو)۔ یعنی اسلام کے دائرے میں ہم سے محبت کرو اور دینی عقائد اور قرآن وسنت کی حدود سے باہر نہ نکلو۔ لہٰذا جو باتیں رسول اللہؐ اور اُن کے اہلِ بیتؑ کے بارے میں ہم تک پہنچی ہیں لازم ہے کہ ہم اُن پر غور وخوض کریں: هَلَكَ فِيَّ رَجُلَانِ: مُحِبٌّ غَالٍ وَمُبْغِضٌ قَالٍ. (میرے بارے میں دو طرح کے لوگ تباہ ہوئے۔ ایک ایسا محب جو محبت میں حد سے بڑھ جائے اور دوسرا ایسا دشمن جو مجھ پر گالم گلوچ پر اُتر آئے۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۱۱۷) کیونکہ یہ دونوں ہی اعتدال کی حد سے خارج ہو جاتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے اِس قول کی بنیاد پر غلو کے مسئلے پر ہمارے زور دینے کی وجہ یہ ہے کہ دورِ حاضر میں بھی ایک ایسا گروہ موجود ہے جو حضرت علیؑ اور اُن کی آلؑ سے محبت کے نام پر غلو کا شکار ہو کر اعتدال سے خارج ہو گیا ہے۔

☆☆☆

# علی ابن ابی طالبؑ کے چند اقوال

## ۱۔حق کے بارے میں غیر جانبداری کی مذمت

امامؑ کا قول ہے: خَذَلُوا الْحَقَّ وَلَمْ يَنْصُرُوا الْبَاطِلَ. (ان لوگوں نے حق کو چھوڑ دیا اور باطل کی بھی مدد نہ کی۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۱۷) آپؑ کا یہ قول سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر کے بارے میں ہے۔ اور اس میں آپؑ نے اُن لوگوں کی غیر جانبداری کی مذمت کی ہے۔ اس لیے کہ غیر جانبدار لوگ حق کے محاذ کا ساتھ نہ دے کر باطل کی اعانت کرتے ہیں۔ کیونکہ حق سے اُن کے کنارہ کش رہنے کی وجہ سے حق کا محاذ کمزور پڑ جاتا ہے اور باطل کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ یقیناً ایسا شخص جو نمازِ علیؑ کی امامت میں پڑھنا پسند کرتا ہے اور جسے دسترخوانِ معاویہ کا بھاتا ہے اور جسے غیر جانبداری میں راحت و عافیت نظر آتی ہے اُسے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ایسی حالت میں علیؑ کی اقتدا میں نماز اُس کے کسی کام نہ آئے گی۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص علیؑ کے ساتھ ہو اُن کی اقتدا میں نماز ادا کرتا ہو اور عین اُسی وقت شیطان کا ساتھی بھی ہو؟!! غیر جانبدار ہونا انسان کو شیطان کے خطرے سے دوچار کر دیتا ہے. اَلسَّاكِتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ اَخْرَسُ. (حق کے بارے میں خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے)

دورِ حاضر میں اکثر مسلمانوں کی مشکل اُن کی خاموشی اور سکوت ہے۔ وہ اپنے آپ کو غیر

جانبدار ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بارِالٰہا! ہمیں آج کے بُرے وقت سے محفوظ رکھ اور اشرار کے شر سے نجات دے۔ جو شخص بدی کا مخالف اور خیر کا حامی وطرفدار نہ ہو وہ بدی سے کیسے نجات پا سکتا ہے؟

جنگِ جمل میں امام علیؑ کی فوج سے تعلق رکھنے والا ایک شخص (حارث بن حوط) امامؑ پر اعتراض کرتے ہوئے بولا: کیا آپؑ سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور اصحابِ جمل گمراہ۔ جبکہ وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہیں؟ امامؑ نے اُس شخص کے جواب میں فرمایا: یَا حَارِثُ! اِنَّکَ نَظَرْتَ تَحْتَکَ وَلَمْ تَنْظُرْ فَوْقَکَ فَحِرْتَ! اِنَّکَ لَمْ تَعْرِفِ الْحَقَّ فَتَعْرِفَ مَنْ اَتَاهُ، وَلَمْ تَعْرِفِ الْبَاطِلَ فَتَعْرِفَ مَنْ اَتَاهُ. (اے حارث! تم نے نیچے کی طرف دیکھا اوپر کی طرف نگاہ نہیں ڈالی، جس کے نتیجے میں تم حیران وسرگرداں ہو گئے ہو۔ تم حق ہی کو نہیں جانتے کہ اہلِ حق کو جانو اور باطل ہی کو نہیں پہچانتے کہ باطل کے پیروکاروں کو پہچانو۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۲۶۲) اِعْرِفِ الْحَقَّ تَعْرِفْ اَهْلَهُ وَاعْرِفِ الْبَاطِلَ تَعْرِفْ اَهْلَهُ. (حق کو پہچانو اہلِ حق کو پہچان لوگے اور باطل کو پہچانو اہلِ باطل کی شناخت ہو جائے گی)۔ نیز اس بارے میں آپ کا ارشاد ہے: وَلَا یُعْرَفُ الْحَقُّ بِالرِّجَالِ وَلٰکِنْ یُعْرَفُ الرِّجَالُ بِالْحَقِّ. (حق لوگوں کی کثرت اور اشخاص سے نہیں پہچانا جاتا، بلکہ افراد کی شناخت حق کے ذریعے ہوتی ہے)

اس بنیاد پر ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم حق کو نہیں پہچانتے، تاکہ اُسے معیار اور کسوٹی قرار دے کر افراد کو اُس کے ذریعے سے پرکھیں اور اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ کریں۔

## ۲۔ علم حجت ہے

امامؑ نے اخلاقی مفاہیم بیان کرنے والے اپنے ایک کلام میں فرمایا ہے: اَیُّهَا النَّاسُ، مَنْ عَرَفَ مِنْ اَخِیْهِ وَثِیْقَةَ دِیْنٍ وَسَدَادَ طَرِیْقٍ، فَلَا یَسْمَعَنَّ فِیْهِ اَقَاوِیْلَ الرِّجَالِ. (اے لوگو! اگر تمہیں اپنے کسی بھائی کی دینداری کی پختگی اور اُس کے طور طریقوں کی درستگی کا علم ہو تو پھر اُس کے بارے میں لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرو)

یعنی جب آپ کا اپنے کسی مؤمن بھائی کے ساتھ ربط و تعلق ہو اور آپ نے دین میں اُس کی استقامت اور اخلاق میں اُس کی درستگی کا عملاً مشاہدہ کیا ہو تو اگر ایسی صورت میں کوئی شخص آپ کے پاس آئے اور آپ کے اِس برادرِ مؤمن کی لادینیت اور گمراہی کے بارے میں کوئی بات کرے، تو اِس شخص کی بات پر دھیان نہ دیں، کیونکہ: أَمَا اِنَّـهُ قَـدْ يَـرْمِـي الـرَّامِيْ وَ تُخْطِيءُ السِّهَامُ، وَيُـحِيْـلُ الْـكَلَامُ وَبَـاطِلُ ذٰلِکَ يَبُوْرُ، وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ وَّشَهِيْدٌ. (دیکھو کبھی تیر چلانے والا تیر چلاتا ہے اور اتفاق سے تیر خطا کر جاتا ہے اور بات ذرا میں اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہے۔ اور جو بات غلط ہو گی وہ خود ہی نیست و نابود ہو جائے گی۔ اور خدا ہر چیز کا سننے والا اور ہر شئے کی خبر رکھنے والا ہے) مزید فرماتے ہیں کہ: اَمَا اِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ اِلَّا أَرْبَعُ أَصَا بِعَ. (معلوم ہونا چاہیے کہ حق اور باطل کے درمیان صرف چار انگلیوں کا فاصلہ ہے) فَسُئِـلَ عَـلَيْـهِ السَّلَامُ عَـنْ مَّعْنٰى قَوْلِهٖ هٰذَا. (جب آپؑ سے اِس کا مطلب پوچھا گیا تو: فَـجَـمَعَ اَصَابِعَهٗ وَوَضَـعَهَـا بَيْـنَ اُذُنِـهٖ وَعَيْنِـهٖ ثُمَّ قَـالَ. (آپؑ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اپنے کان اور آنکھ کے درمیان رکھا اور فرمایا) اَلْبَـاطِـلُ أَنْ تَقُوْلَ سَمِعْتُ، وَالْحَقُّ اَنْ تَقُوْلَ رَأَيْتُ. (باطل وہ ہے جسے تم کہو کہ میں نے سُنا ہے اور حق وہ ہے جسے تم کہو کہ میں نے دیکھا ہے۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۳۹)

انتہائی تھوڑے لوگ ہوں گے جو کسی شخص کے دین و اخلاق کے بارے میں اپنے مشاہدے کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہوں۔ اِس کے برخلاف انتہائی کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کسی کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت صرف سُنی سُنائی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔

## ۳۔ دوسروں سے پہلے خود کو نصیحت کیجیے

حضرت علیؑ کی یہ سفارش اور تاکید اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو اصلاحِ معاشرہ، لوگوں کو وعظ و نصیحت اور تبلیغ و ترویجِ دین کے عظیم کام میں مشغول ہوتے ہیں۔ آپؑ ایسے لوگوں سے فرماتے ہیں: مَنْ نَـصَبَ نَفْسَهٗ لِلنَّاسِ اِمَامًا فَلْيَبْدَأْ بِتَعْلِيْمِ نَفْسِهٖ قَبْلَ تَعْلِيْمِ غَيْرِهٖ. (جو لوگوں کا پیشوا بنتا ہے اُسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے آپ کو تعلیم دینی چاہیے) یعنی پہلے

خود اپنے آپ کو تعلیم دے تاکہ وہ گفتار سے زیادہ اپنے کردار سے لوگوں کی ہدایت کر سکے اور اُس کی کہی ہوئی بات اُس کے دل کی گہرائیوں سے نکلے (دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے) ایسا نہ ہو کہ اُس کی بات صرف نوکِ زباں سے جاری ہو۔ کیونکہ زبان سے کوئی بات کہہ دینا انتہائی آسان کام ہے۔ لیکن دل کی گہرائیوں سے بات نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ کہنے والے نے اِسے صدقِ دل سے قبول کیا ہوا ہو اور اِس بات پر خود عمل پیرا بھی ہو۔ یہاں تک کہ اُس کا کلام اُس کے وجود سے خارج اور علیحدہ نہ ہو بلکہ اُس کے وجود میں اُس کی جڑ موجود ہو۔ وَلْيَكُنْ تَأْدِيبُهُ بِسِيرَتِهِ قَبْلَ تَأْدِيبِهِ بِلِسَانِهِ وَمُعَلِّمُ نَفْسِهِ وَمُؤَدِّبُهَا أَحَقُّ بِالْإِجْلَالِ مِنْ مُعَلِّمِ النَّاسِ وَ مُؤَدِّبِهِمْ. (اور زبان سے درسِ اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت و کردار سے تعلیم دینا چاہیے۔ اور جو اپنے نفس کی تعلیم و تادیب کرلے وہ دوسروں کی تعلیم و تادیب کرنے والے سے زیادہ احترام کا مستحق ہے۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۷۳)

اگر ایک انسان لوگوں سے کوئی بات کہے اور خود اِس بات پر عمل پیرا نہ ہو تو خداوندِ عالم کا یہ قول اُس پر بھی صادق آئے گا کہ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (اے ایمان والو! آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔ سورۂ صف ۶۱۔ آیت ۲، ۳)

## ۴۔ حقیقت کی تلاش

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی پوری زندگی حق و حقیقت کا متلاشی رہے۔ جب آپ حصولِ علم میں مشغول ہوں تو آپ کو چاہیے کہ مفید علم و دانش حاصل کریں اور مدرّسین و معلّمین کے بارے میں کوئی فرق نہ رکھیں اور یہ نہ کہیں کہ ہم صرف مؤمن سے علم حاصل کریں گے منافق سے نہیں۔ بلکہ ہمیں چاہیے کہ پوری دنیا میں پھریں اور ہر صاحبِ علم سے علم حاصل کریں۔ خواہ وہ کافر ہو خواہ مؤمن اور خواہ منافق۔ کیونکہ کسی کافر یا منافق سے حکمت و دانائی کی باتیں سیکھنے والا کافر یا منافق

نہیں ہو جاتا۔ اِس لیے کہ وہ اُس سے علم و حکمت سیکھ رہا ہے نہ کہ اُس کے عقائد۔ حکمت کافر اور مؤمن دونوں کے دلوں میں ہو سکتی ہے۔ پس حصولِ علم کے دوران اپنے آپ کو کسی تنگ دائرے میں قید نہیں کرنا چاہیے۔

امام علیؑ یہ نہیں چاہتے کہ آپ جس چیز کو سُنیں بغیر کسی غور و فکر کے اُسے قبول کر لیں۔ جو کچھ ہم سنتے ہیں اور جس چیز پر کان لگاتے ہیں' اُن دونوں کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ سننا' بغیر غور و فکر کے لاشعوری طور پر آوازوں کا کان میں پڑنا ہے' جبکہ کان لگا کے سننا' باتوں کو دھیان سے سننا ہے۔ اِس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ ایسی سُنی ہوئی بات عقل و فکر کے فعال و متحرک ہونے کا باعث بنتی ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ: خُذِالْحِکْمَةَ اَنّٰی کَانَتْ فَاِنَّ الْحِکْمَةَ تَکُوْنُ فِی صَدْرِ الْمُنَافِقِ فَتَلَجْلَجُ فِیْ صَدْرِہٖ' حَتّٰی تَخْرُجَ فَتَسْکُنَ اِلٰی صَوَاحِبِهَا فِیْ صَدْرِ الْمُؤْمِنِ. (حکمت کی بات جہاں کہیں ہو اُسے حاصل کرو۔ کیونکہ اگر وہ منافق کے سینے میں ہو' تو وہاں اُس وقت تک بیتاب رہتی ہے جب تک مؤمن کے دل میں آ کر دوسری حکمتوں کے ساتھ بہل نہ جائے۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۷۹)

حکمت اگر منافق کے سینے میں ہو' تو وہاں بے قرار رہتی ہے اور وہاں سے نکلنا چاہتی ہے۔ پس اُسے حاصل کرو اور دوسرے علوم کے ساتھ اپنے دل میں رکھو۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَخُذِالْحِکْمَةَ وَلَوْ مِنْ اَهْلِ النِّفَاقِ. (حکمت مؤمن ہی کی گمشدہ شئے ہے' اُسے حاصل کرو' اگرچہ منافق سے حاصل کرنا پڑے۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۸۰)

## ۵۔ حقیقی فقیہ

ایک ایسا شخص جو لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا چاہتا ہے' اُسے کس انداز سے یہ عمل انجام دینا چاہیے؟ کیا اُسے جنت کا تذکرہ اِس انداز سے کرنا چاہیے کہ سننے والا یہ محسوس کرے کہ جنت کے

حصول میں اُس کے سامنے کوئی رکاوٹ حائل نہیں؟ اور اگر وہ دوزخ کے بارے میں گفتگو کرے تو کیا اُسے یہ گفتگو ایسے کرنی چاہیے کہ سننے والے سب لوگ اپنے آپ کو دوزخ کے دہانے پر کھڑا محسوس کریں؟

اِس بارے میں امامؑ فرماتے ہیں: اَلْفَقِیْهُ کُلُّ الْفَقِیْهِ مَنْ لَّمْ یُقَنِّطِ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ. (فقیہِ کامل وہ ہے جو لوگوں کو خدا کی رحمت سے ناامید نہ کرے) لوگوں کے گناہوں اور اُن کی لغزشوں کے بارے میں اِس انداز سے گفتگو نہ کرے کہ اگر اُن لوگوں کا شمار رحمتِ خدا سے دور لوگوں میں ہوتا ہو تو وہ مکمل طور پر ناامید ہو جائیں اور اپنے سامنے رحمت کے تمام دروازے بند محسوس کریں۔ جبکہ خداوندِ عالم فرماتا ہے: وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ. (اور رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہونا کہ اُس کی رحمت سے کافر قوم کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ سورۂ یوسف ۱۲۔ آیت ۸۷) اِسی طرح پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ. (اور میری رحمت ہر شئے پر چھائی ہوئی ہے۔ سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۱۵۶)

آگے چل کر امامؑ فرماتے ہیں: وَلَمْ یُؤْیِسْهُمْ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ. (اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کردے) خداوندِ عالم نے ہر حال میں اپنے بندوں پر اپنی رحمت اور امید کے دروازے کھلے رکھے ہیں، وہ کبھی یہ دروازے بند نہیں کرتا۔ مزید فرمایا کہ: وَلَمْ یُؤْمِنْهُمْ مِنْ مَکْرِ اللّٰهِ. (اور نہ ہی اُنھیں اللہ کے عذاب سے بالکل مطمئن کردے۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۹۰) بلکہ اُنھیں عذابِ الٰہی سے خبردار اور متنبہ کرے۔ کیونکہ ممکن ہے خداوندِ عالم کسی کو مہلت دے، لیکن یوں ہی چھوڑے گا کسی کو نہیں۔

جیسا کہ آپؑ فرماتے ہیں: وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَیْسَ فِیْ حُکْمِکَ ظُلْمٌ وَلَا فِیْ نَقْمَتِکَ عَجَلَةٌ اِنَّمَا یُعَجِّلُ مَنْ یَخَافُ الْفَوْتَ وَ یَحْتَاجُ اِلَی الظُّلْمِ الضَّعِیْفُ. (میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیرے فیصلے میں ظلم و ستم کی کوئی گنجائش نہیں اور تو عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ کیونکہ ایسا شخص جلدی کرتا ہے جو ڈرتا ہے کہ موقع اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور جو کمزور پر ظلم کرنا چاہتا ہے)

## ۶۔ علم و دانش خیر ہے

کسی شخص نے امامؑ سے خیر کے بارے میں سوال کیا۔ آپؑ نے اُس کے جواب میں فرمایا:
لَیْسَ الْخَیْرُ اَنْ یَکْثُرَ مَالُکَ وَوَلَدُکَ ، وَلٰکِنَّ الْخَیْرَ اَنْ یَکْثُرَ عِلْمُکَ وَ یَعْظُمَ حِلْمُکَ. (مال اور اولاد کی کثرت خیر نہیں ہے، بلکہ خیر یہ ہے کہ تمہارے پاس علم زیادہ ہو اور تمہارا حلم بڑھا ہوا ہو)

کیونکہ مال انسان کی ذات سے باہر ایک علیحدہ وجود کا حامل ہوتا ہے، جو قانون کے فیصلے کی رو سے اُس کا بنتا ہے۔ جب کسی کی ملکیت بڑھتی ہے تو ایسا شخص انسانی اعتبار سے ترقی و کمال کے درجات طے نہیں کرتا۔ یہی معاملہ آل اولاد کا ہے، اُن کا وجود بھی علیحدہ اور مستقل حیثیت کا مالک ہوا کرتا ہے۔ ممکن ہے انسان اُن سے مانوس ہو اور اُن پر فخر و ناز کرے، لیکن وہ خود اِس انسان کی ذات میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتے۔ اب اگر کسی کے پاس کروڑہا روپے ہوں اور کثیر تعداد میں آل اولاد ہو، تو یہ چیزیں اُس کی انسانیت کا مظہر نہیں ہو سکتیں اور اُسے کوئی حقیقی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔

وَلٰکِنَّ الْخَیْرَ اَنْ یَکْثُرَ عِلْمُکَ. (لیکن خیر یہ ہے کہ تمہارے پاس علم زیادہ ہو)

تمہیں ایک ایسا انسان ہونا چاہیے جو بے پایاں عقل کی بنیاد پر سعہ صدر کا مالک ہو۔ تاکہ تم ایک متحمل مزاج انسان بنو، جو بے چین اور غصہ ور نہیں ہوتا، بلکہ ناگوار باتوں اور مشکل حالات کو سکون اور مطمئن ذہن کے ساتھ گزار دیتا ہے۔ جب عفو و درگزر کی ضرورت ہوتی ہے، تو لوگوں کو معاف کر دیتا ہے، اُن کے ساتھ درگزر سے پیش آتا ہے اور جب معاف کرنا مناسب نہیں سمجھتا، تو معاف نہیں کرتا۔

اور آپؑ نے فرمایا: وَاَنْ تُبَاهِیَ النَّاسَ بِعِبَادَةِ رَبِّکَ (اور تم اپنے پروردگار کی عبادت پر لوگوں کے سامنے ناز کر سکو) یعنی بندگیٔ رب میں اِس قدر آگے بڑھو کہ دوسروں کے سامنے فخر و مباہات کے مقام پر جا پہنچو۔ البتہ یہاں فخر و مباہات سے مراد دوسروں پر رعب جمانا اور اُن کے سامنے خود پسندی کا مظاہرہ کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا عبادت کو برباد کر دینے کا باعث ہوتا

ہے۔یہی وجہ ہے کہ عبادت کی توفیق کا مالک ہونا اور اپنے آپ کو خود پسندی سے محفوظ رکھنا بھی پسندیدہ اور مطلوب انسانی خصائل میں شامل ہیں۔ فَإِنْ أَحْسَنْتَ (پس اگر کوئی نیک عمل انجام دو) حَمِدْتَ اللّٰهَ ، وَإِنْ أَسَأْتَ اسْتَغْفَرْتَ اللّٰهَ (تو خدا کا شکر ادا کرو، اور اگر کسی گناہ کے مرتکب ہو جاؤ، تو استغفار طلب کرو)۔ وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا إِلَّا لِرَجُلَيْنِ. (دنیا میں صرف دو اشخاص کے لیے بھلائی ہے) اور اِس کا تعلق انجامِ کار سے ہے۔ اِسی طرح جیسے اِس بارے میں پیغمبرؐ نے بھی فرمایا ہے کہ: مَا خَيْرٌ بِخَيْرٍ بَعْدَهُ النَّاسُ وَ مَا شَرٌّ بِشَرٍّ بَعْدَ الْجَنَّةِ (کوئی نیکی نیکی نہیں جس میں لوگوں کے لیے دکھاوا ہو، اور کوئی بُرائی بُرائی نہیں اگر اُس کے نتیجے میں جنت حاصل ہو رہی ہو) رَجُلٌ أَذْنَبَ ذُنُوبًا فَهُوَ يَتَدَارَكُهَا بِالتَّوْبَةِ (ایک وہ جو گناہ کرے، تو توبہ کے ذریعے اُس کی تلافی کر لے) وَرَجُلٌ يُسَارِعُ فِي الْخَيْرَاتِ (اور دوسرا وہ جو نیک کاموں میں جلدی کرتا ہو۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۹۴)

لَا يَقِلُّ عَمَلٌ مَعَ التَّقْوَى. (جو عمل تقویٰ کے ساتھ انجام دیا جائے وہ قلیل نہیں ہوتا) پرہیز گاری اختیار کرو اور اپنے اعمالِ صالحہ کی کثرت کو نہ دیکھو۔ کیونکہ تقویٰ عقل، قلب، قوت اور استعداد کی پرہیز گاری کا باعث ہوتا ہے۔ اِس میں کاموں کی تعداد اور مقدار اہم نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسی عمل کی عظمت اُس عمل کی روح کی عظمت سے تولی جاتی ہے۔ وَكَيْفَ يَقِلُّ مَا يُتَقَبَّلُ؟ (بھلا مقبول عمل قلیل کیسے ہو سکتا ہے؟۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۹۵) پس کسی عمل کی اہمیت اور عظمت خدا کی طرف سے اُس کی قبولیت سے وابستہ ہے۔ کیونکہ یہ انسان کو خدا سے قریب کرتا ہے اور اُسے خدا کی بارگاہ میں عظیم بناتا ہے۔

## ۷۔ سُنی ہوئی بات کو عقل سے پرکھو

امامؑ کا ارشاد ہے: اعْقِلُوا الْخَبَرَ إِذَا سَمِعْتُمُوهُ. (جب کوئی خبر سنو تو اُسے عقل کی کسوٹی پر پرکھو۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۹۸)

ہم زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں رسول اللہؐ اور ائمہ معصومینؑ کی بہت سی

احادیث وروایات سنتے ہیں۔ جبکہ اِن روایات واحادیث کے ہم تک پہنچنے کے ذرائع کی کثرت ہماری آج کی زندگی میں بالکل سامنے کی بات ہے۔ کیا اصل مسئلہ حدیث یا روایت کا صرف سننا اور سُن کر اسے آگے بڑھا دینا ہے یا ضروری ہے کہ اُس کے فہم وادراک اور تجزیہ وتحلیل کے ساتھ اُسے سنا جائے اور ذہن نشین رکھا جائے؟

یعنی ہم اُس کے مضامین کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ وہ حقیقت سے کس قدر دور یا نزدیک ہے؟ حق کی مخالف تو نہیں؟ عقل سے سازگار اور اُس کے موافق ہے یا نہیں؟ اور اشیا کی ذات اور حقیقت کی نشاندہی کرنے والی ہے یا نہیں؟

اِس حوالے سے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں ایسے لوگ خطرناک ثابت ہوتے ہیں جو سُنی سُنائی احادیث وروایات کو دوسروں کے اذہان میں منتقل کرتے ہیں۔ جبکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ توجہ اور کنٹرول کے بغیر اِن احادیث وروایات کا نقل کر دینا لوگوں کے درمیان رائج مُسلّمہ امور میں خلل اندازی کا باعث بنتا ہے۔

لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم جس بات کو سُنیں، پہلے عقل کی روشنی میں اُس کا جائزہ لیں۔ اِسی بنا پر امامؑ نے فرمایا ہے کہ: اعْقِلُوا الْخَبَرَ اِذَا سَمِعْتُمُوْهُ عَقْلَ رِعَايَةٍ لَا عَقْلَ رِوَايَةٍ، فَاِنَّ رُوَاةَ الْعِلْمِ كَثِيْرٌ، وَرُعَاتَهُ قَلِيْلٌ. (جب کوئی خبر سُنو تو اُسے عقل کی کسوٹی پر پرکھو البتہ اُس پر عمل کے لیے نہ کہ اُسے نقل کرنے کے لیے۔ کیونکہ علم کے نقل کرنے والے تو بہت ہیں لیکن اُس پر عمل کرنے والے کم۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۹۸)

## ۸۔ دنیا اور آخرت کا نقصان

امام علیؑ نے دنیا اور آخرت کے زیاں اور نقصان کے بارے میں فرمایا ہے: لَا يَتْرُكُ النَّاسُ شَيْئًا مِّنْ اَمْرِ دِيْنِهِمْ لِاسْتِصْلَاحِ دُنْيَاهُمْ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُوَ اَضَرُّ مِنْهُ. (جو لوگ اپنی دنیا سنوارنے کے لیے، دین کی کسی چیز کو ترک کرتے ہیں، تو خدا اُن کے لیے اِس دنیاوی فائدے سے کہیں زیادہ نقصان کی صورتیں پیدا کر دیتا ہے۔ نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۱۰۶)

ہمیں اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنی دنیاوی زندگی کی خاطر دین کو کس قدر ترک کیا ہے؟ اور اپنی نفسانی خواہشات' اپنے مادّی مفادات اور اپنے دل کی بات مانتے ہوئے کتنی مرتبہ دینی احکام سے روگردانی کی ہے؟ وہ دینی احکام جو ظالموں اور ستمگروں کے مقابل ڈٹ جانے کی تعلیم دیتے ہیں' ہم نے اُن احکام کو کس قدر نظرانداز کیا ہے؟ کتنا اِس راہ میں صعوبتیں اور مشکلیں اٹھائی ہیں؟

خدا نے ہمیں نصیحت کی ہے اور دین ہمیں اِس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو اہمیت نہ دیں اور کسی آزار پہنچانے والے کی آزار کو خاطر میں نہ لائیں۔ اِس خدائی فرمان اور دینی تعلیم کو سامنے رکھ کر جواب دیجیے کہ ہم نے کتنی مرتبہ اور کتنے مواقع پر دین کی نظر میں مشکوک امور کو جائز قرار دیا ہے؟ دین کی راہ میں ہم کس قدر مشکلات سے دوچار ہوئے ہیں؟

یہ تو رہی دنیا کی بات' لیکن آخرت میں: یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا. (وہ دن جب ہر انسان اپنے آپ سے جھگڑ رہا ہوگا۔ سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۱۱۱) اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ. (کیا آپ نے اُس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو خدا بنا لیا ہے۔ سورۂ جاثیہ ۴۵۔ آیت ۲۳) اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا. (تو کیا وہ شخص جس کے بُرے اعمال کو اِس طرح آراستہ کر دیا گیا ہے کہ وہ اُنھیں اچھا سمجھنے لگا۔ سورۂ فاطر ۳۵۔ آیت ۸) اور: اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیاوی زندگی میں بہک گئی ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اچھے اعمال انجام دے رہے ہیں۔ سورۂ کہف ۱۸۔ آیت ۱۰۴) بہرحال اگر ہم دین کا دامن چھوڑ دیں تو دنیا اور آخرت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

☆☆☆

# سوال و جواب

سوال نمبر ۱۔ ہم کس طرح ایک غیر شیعہ شخص کو اِس بات کا قائل کر سکتے ہیں کہ آیتِ قرآن: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے امام علیؑ کے لیے بیعت لینے کی قرآنی دلیل ہے؟

جواب: یہ آیۂ شریفہ عمومیت کی مالک ہے، لیکن جب ہم اِس بارے میں سنت، تفسیر اور مناظرے کی کتب میں تلاش کرتے ہیں، تو اُن میں اور سیرتِ نبویؐ میں ایسی بکثرت احادیث پاتے ہیں جو کہتی ہیں کہ یہ آیت غدیر کے دن اُس وقت نازل ہوئی جب پیغمبر اسلامؐ نے ولایتِ علیؑ کے بارے میں اپنا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔

اِس بنیاد پر واقعۂ غدیر شیعہ یا غیر شیعہ سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ ایک علمی مسئلہ ہے جس کی حقیقت کو اِس کے بارے میں موجود مصادر (sources) پر تحقیق کے ذریعے واضح کرنا چاہیے۔ ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اِس معاملے میں موجود مصادر کا اِس کے متضاد دوسرے مصادر سے موازنہ کیا جانا چاہیے، تاکہ ہر اُس علمی تحقیق کی مانند جو قطعی نتیجے تک پہنچنے کے لیے کی جاتی ہے، اِس تحقیق کے

ذریعے سے بھی ہم ایک مفید اور قابلِ قبول نتیجے تک پہنچ سکیں۔

ہم اسلامی اور غیر اسلامی مسائل میں ہمیشہ دوسروں کو اِس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ (چاہے شیعہ ہوں چاہے سنّی) زیر بحث موضوع کا اُس خاص زاویے سے جائزہ نہ لیں جسے وہ پسند کرتے ہیں اور دوسروں کو اُس کی تلقین کرتے ہیں' بلکہ موضوع کا صرف ایک ایسے مسلمان ہونے کے ناطے جائزہ لیں جو اِس بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر جاننا چاہتا ہے۔

شیعہ اور سنّی میں سے کسی کا بھی اپنے نظریات کو اپنی خاص فکر کی بنیاد پر ثابت کرنا ایک مکمل طور پر غلط بات ہے' بلکہ اُنھیں چاہیے کہ اپنی خاص فکر کو پیشِ نظر مسئلے کے بارے میں لچکدار بنائیں اور اس آیہ قرآن کو سامنے رکھیں جو کہتی ہے: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے' تو اِس میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ سورۂ نساء ۴۔ آیت ۵۹) یعنی اسلام کو سمجھنے اور اسلام کو درست طریقے سے پہچاننے کے لیے ہمارے سامنے راستہ موجود ہے اور ہمیں چاہیے کہ اپنے مذہبی نقطۂ نظر کی تصدیق اور تائید کے لیے کتابِ خدا سے رجوع کریں۔

لیکن اگر ہم ایسے جاہل افراد کی طرح بحث و تکرار کریں جن میں سے ہر ایک دوسرے پر اپنا نقطۂ نظر ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے' تو یہ ایک غلط طرزِ عمل ہے۔ کیونکہ یہ روش تعصب پیدا کرتی ہے' جو انسان کو معاملات کے بارے میں بے بنیاد اور بے اساس سوچ بچار پر ابھارتا ہے۔

لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم اُس شخص کی مانند سوچ بچار کریں جو حقیقت کا متلاشی ہے' نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو زبردستی اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا اپنے رسول کو اندازِ گفتگو کی تعلیم دیتا ہے اور فرماتا ہے: وَاِنَّآ اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. (ہم یا تم (یا تو) ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔ سورۂ سبا ۳۴۔ آیت ۲۴) کیا پیغمبر کو اپنے حق پر ہونے اور اپنے مخالفین کے باطل پر ہونے کے بارے میں کوئی شک تھا؟ ہرگز نہیں! پیغمبر تو وہ تھے جن کے بارے میں خدا کا ارشاد ہے: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ. (اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جس نے اُس کی تصدیق کی۔ سورۂ زمر ۳۹۔ آیت ۳۳) دراصل یہاں خدا پیغمبرؐ سے چاہتا

ہے کہ وہ اپنے دشمن یا اختلافِ رائے رکھنے والے ہر شخص سے اُس شخص کی مانند گفتگو کریں جسے زیر بحث مسئلے کے بارے میں شک ہے' اور اِس طرح مسئلے کو بحث اور تحقیق کا موضوع بنائیں۔ نیز مقابل فریق بھی آپ کے ساتھ مسئلے پر اِس طرح بحث وجدال کرے جیسے وہ اُس کے بارے میں شک وشبہے کا شکار ہے۔ اِس طرح تم دونوں ہی حقیقت کا کھوج لگانے کی راہ پر ایک ساتھ چلتے ہوئے نتیجے تک پہنچو گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ تم اپنی بات اُس پر مسلط کرنا چاہو اور وہ اپنی بات تم پر مسلط کرنا چاہے۔ کیونکہ اِس سے تعصب اور خود پسندی کا آغاز ہوتا ہے۔

سوال نمبر۲۔ وہ کیا عوامل تھے جو حدیثِ غدیر کو نظر انداز کرنے کا سبب بنے؟

جواب: اُس دور کے اسلامی معاشرے میں پائی جانے والی بہت سی خرابیاں غدیر جیسے اہم موضوع پر پردہ ڈالنے کا سبب بنیں۔ جب ہم خلیفۂ دوّم کا یہ کلام سنتے ہیں' جس میں اُن کا کہنا تھا کہ: لَوْوَلَّيها عَلِيٌّ لَحَمَلَهُمْ عَلىٰ الْمَحَجَّةِ الْبَيْضَاء. (اگر علیؑ اسلامی معاشرے کے حکمراں ہوتے' تو وہ معاشرے کو سعادت اور خوش بختی کی جانب لیجاتے) نیز جب ہم یہ سنتے ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ: علیؑ نے اپنی جوانی میں قریش کے سرداروں کے سر قلم کیے ہیں' لہٰذا قریش علیؑ کو قبول نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ تو ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ کس طرح حدیثِ غدیر کو نظر انداز کیا گیا اور کس طرح اِس مسئلے میں شبہ پیدا کیا گیا!

اگر ہم حدیثِ غدیر کے چھپائے جانے کی وجہ جاننا چاہتے ہیں' تو ہمیں اِس کے معاصر دور کے حالات وواقعات کا جائزہ لینا چاہیے' اور دیکھنا چاہیے کہ کس طرح اسلامی معاشرے میں یکلخت اور ہنگامی انداز میں بعض واضح اور آشکار امداخلتیں کی گئیں اور بعض مسائل پر پردہ ڈال دیا گیا۔

میں نے واقعۂ غدیر میں غور وفکر کے دوران' اُس دور کے جوانوں اور بزرگوں کے نزدیک حق کو باطل اور باطل کو حق میں تبدیل ہوتے دیکھا ہے' بالخصوص جب میں نے یہ بات محسوس کی کہ حقیقی اہلِ مطالعہ' سوال کرنے والے اور تحقیق کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔ لہٰذا غدیر کے مخفی رہ جانے کی وجہ بخوبی واضح ہے اور یہ بات بھی عیاں ہے کہ کس طرح بیچ آسماں میں چمکنے والے سورج کی مانند

انتہائی واضح اور آشکارا امور و مسائل تھوڑے ہی عرصے بعد مکمل طور پر تبدیل ہو جاتے ہیں۔

سوال نمبر۳۔ شہید سید محمد باقر الصدر علیہ الرحمہ کا کہنا تھا کہ وہ اہم ترین اور نمایاں ترین بیماری جس میں امام علیؑ کے دور کے مسلمان مبتلا تھے، وہ دو دلی اور شک کی بیماری تھی۔ یہ شک اور شبہ کیسے پیدا ہوا؟ کس طرح اُس نے جڑ پکڑی؟ باوجود اِس کے کہ امام علیؑ پیغمبرؐ کے بعد کامل ترین مسلمان کا مظہر تھے۔

جواب: تمام انسانوں میں اسلام یکساں طور پر سرایت نہیں کرتا۔ کبھی اُن میں اسلام مکمل طور پر سرایت کر جاتا ہے، کبھی آدھا اور کبھی اِس سے بھی کم۔ اِس حوالے سے متعدد عوامل ہیں جو انسان پر منفی اثر ڈالتے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان خود پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں شک و شبہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً جس وقت جنگِ حنین کے بعد عباس بن مرداس، پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ مجاہدین کو مالِ غنیمت کی تقسیم میں مصروف تھے، باوجود یہ کہ پیغمبرؐ مالِ غنیمت کی تقسیم سے اچھی طرح واقف تھے، عباس بن مرداس کا خیال تھا کہ وہ مالِ غنیمت میں سے دوسروں سے زیادہ حصے کے حقدار ہیں۔ لہٰذا اُنھوں نے رسولِ مقبولؐ سے کہا: آپؐ عدل سے کام لیجیے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا: وَیْحَکَ وَمَنْ یَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدَلْ ؟ (وائے ہو تم پر! اگر میں عدل سے کام نہیں لیتا تو کون عدالت سے کام لے گا؟)

اِسی طرح منافقین اسلامی معاشرے میں موجود پیچیدگیوں کی بنا پر شک و شبہے کا شکار ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم آنحضرت کی زندگی کے آخری ایام اور آپ کی رحلت کے بعد دیکھتے ہیں کہ لوگ کس طرح معاملات میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے اور اسلامی معاشرے میں شک و شبہے کا بیج بوتے تھے۔ حدیثِ غدیر کا شمار پیغمبر اسلامؐ کے آشکارا ترین اور واضح ترین کلام میں ہوتا تھا، اِس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح اُس کے بارے میں مختلف باتیں کی گئیں اور کیسے کیسے اظہارِ خیال کیے گئے، جن کی وجہ سے معاشرے میں اُس کے بارے میں شک و شبہ پیدا ہوا اور مسئلے کو اُس کے اصل مقصد سے دور کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ پر واضح ہو گیا کہ جس بات کو آپؐ نے صراحتاً لوگوں کے سامنے بیان کیا ہے، لوگ اُسے ماننے پر تیار

نہیں اور ایسی باتیں کر رہے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا آپؐ نے فرمایا: اَئْتُوْنِیْ بِدَوَاۃٍ وَ کَتِفٍ اَکْتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْ بَعْدِی اَبَدًا. (مجھے قلم اور کاغذ دے دو تا کہ میں تمہارے لیے ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس درخواست کے بعد ایک شخص نے کہا: اِنَّ النَّبِیَّ لَیَھْجُرُ. (پیغمبرؐ {نعوذ باللہ} ہذیان بول رہے ہیں)

اِس طرزِ عمل کا مظاہرہ اِس لیے کیا گیا تا کہ جو چیز پیغمبر تحریر کرنا چاہتے ہیں اُس کے بارے میں شک و شبہے کا بیج بو دیا جائے۔ روایات بتاتی ہیں کہ اِس کے بعد پیغمبرؐ سے کہا گیا کہ: کیا ہم آپ کے لیے قلم و کاغذ لے آئیں؟ اِس پر پیغمبرؐ نے فرمایا: کیا جو کچھ تم کہہ چکے ہو اُس کے بعد بھی؟ {یعنی تمہاری طرف سے میری ذہنی صحت کے بارے میں شک و شبہے کا بیج بو دینے کے بعد اب میرا کچھ تحریر کرنا فضول ہو گیا ہے} اِسی دوران ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ پیغمبرؐ بے ہوش ہیں اور ہذیان بول رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

اِس طرح مسلمان ایسی بکثرت مشکلات اور پیچیدگیوں کا شکار تھے جو واضح اور آشکار حق و حقیقت کے چھپ جانے کا سبب بنیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ کے دورِ حکومت میں ایسے شکوک و شبہات وجود میں آئے جو پیغمبر اسلامؐ کے دورِ حیات میں موجود شکوک و شبہات سے کہیں زیادہ اور شدید تر تھے۔ اِس مقام پر شک و شبہ کرنے اور نہ کرنے کا مسئلہ انسان کی طبیعت کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ اِس کا تعلق اُن اجتماعی پیچیدگیوں اور مشکلات سے ہے جو شواہد اور اسناد کو خلط ملط کر دیتی ہیں اور آخر کار مسئلے کو اپنے اصل راستے سے دور کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

ہم اِس مشکوک صورتحال کو بہت سی مسلمان انقلابی شخصیات میں دیکھتے ہیں۔ اِسی حسد، دشمنی، عداوت اور چغل خوری کی بنا پر حق اپنی شفافیت سے محروم ہو جاتا ہے اور لوگ تصور کرنے لگتے ہیں کہ حق باطل ہے اور باطل حق، اور باطل کے خلاف جنگ اور جدوجہد کے نام پر حق پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ یا حق کی طرفداری کے نام پر باطل کے پشت پناہ بن جاتے ہیں۔ اِس طرح کی مثالیں معاصر دور میں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

سوال نمبر۴۔ آپ حضرت علیؑ کی شرعی اور سیاسی امامت ثابت کرنے کے لیے حدیثِ غدیر سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر اِس حدیث کا پیغمبرؐ سے صادر ہونا ثابت ہو بھی جائے، تب بھی اِس حدیث سے یہ معنی نہیں نکلتے؟

جواب: حدیثِ غدیر ایک ایسی حدیث ہے جو شیعہ اور سنّی دونوں کے نزدیک متواتر ہے۔ اگر کوئی شخص دلیل اور برہان کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہے، تو اِس سلسلے میں صاف اور واضح دلائل موجود ہیں۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے ہمراہ حجۃ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے۔ جب مسلمانوں کے مختلف قافلوں کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانے کا مقام آیا، تو اِس موقع پر رسول اللہؐ نے ظہر کے وقت لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا اور حضرت علیؑ کا ہاتھ تھام کر اُسے اتنا بلند کیا کہ آپؐ کی بغل کے نیچے کی سفیدی نمایاں نظر آنے لگی۔ اِس کے بعد فرمایا: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ؟ (کیا میں مؤمنین پر خود اُن سے زیادہ حق نہیں رکھتا) سب نے کہا: اَللّٰھُمَّ بَلٰی. (بارِالٰہا! ایسا ہی ہے) اِس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ. (بارِالٰہا! گواہ رہنا) اور پھر فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلاہُ فَھٰذا عَلِیٌّ مَوْلاہُ. (جس کسی کا میں مولا ہوں یہ علی بھی اُس کے مولا ہیں)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں مولا سے پیغمبر کی مراد یہ ہے کہ جس طرح تم مجھ سے محبت کرتے ہو اُسی طرح علیؑ سے بھی محبت کرو۔ کیونکہ مولا کے معنی محبت ہیں۔

اِس مقام پر بعض وضاحتوں کا ذکر لازم ہے:

اوّلاً یہ کہ: جب ہم اِس واقعے کے ظہور پذیر ہونے کی صورت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے لوگوں کو اُس شدید گرمی اور تپتے صحرا میں جمع کرنے کی طرف توجہ دیتے ہیں، تو ہمارے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا پیغمبرؐ نے اِن حالات میں لوگوں کو فقط یہ کہنے کے لیے روکا تھا کہ: ''جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ علیؑ سے بھی محبت کرے؟'' ظاہر ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ لہٰذا جن حالات میں یہ عمل انجام دیا گیا اُنھیں دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ رسولِ مقبول کوئی انتہائی اہم بات بیان کرنا چاہتے تھے۔

ثانیاً یہ کہ: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ؟ (کیا میں مؤمنین پر خود اُن سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟) ولایت اور حاکمیت کا مفہوم دیتا ہے، بالخصوص جبکہ لفظ ''مولا'' سے مؤمنین پر خود اُن سے زیادہ حقدار ہونے کے معنی حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی لوگوں کا ولی اور سرپرست ہونا۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعے حدیثِ غدیر سے حضرت علیؑ کی امامت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۵۔ حدیثِ غدیر سے تعلق رکھنے والی روایات کے تواتر سے شک وشبہ ختم ہو جاتا ہے اور اِس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ روزِ غدیر حضرت علیؑ کی جانشینی کا اعلان کیا گیا۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ آخر کیوں حضرت علیؑ نے خلافت کے اپنے اِس حق کے حصول کے لیے کھل کر اِس حدیث سے استفادہ نہیں کیا؟ اِس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب: حضرت علیؑ فرماتے ہیں: أَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَھَا فُلَانٌ وَاِنَّہٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْھَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی. یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ. (خدا کی قسم! فلاں نے خلافت کے لباس کو اپنے بدن پر چڑھا لیا۔ حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکّی کے اندر اُس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہِ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پَر نہیں مار سکتا۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۳)

یہ کلام ایک طرف تو اِس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ حضرت علیؑ نے خلافت کے بارے میں اشارتاً کنایتاً گفتگو فرمائی ہے، اور دوسری طرف تاریخ اِس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ حضرت علیؑ نے (اپنے دورِ خلافت میں) اُن اصحابِ رسول کو جنہوں نے غدیر کے دن پیغمبر کی گفتگو سُنی تھی، اِس کی گواہی دینے کے لیے جمع کیا اور بکثرت اصحاب نے گواہی دی کہ اُنھوں نے اللہ کے رسولؐ سے یہ حدیث سُنی ہے۔ صرف ایک صحابی نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا اور حضرت علیؑ کے حق میں گواہی نہیں دی، جو بعد میں جُذام کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ: ''میں خدا کے

ایک پرہیزگار بندے کی دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سے اِس بیماری میں مبتلا ہوا ہوں۔'' کیونکہ حضرت علیؑ نے دعا فرمائی تھی کہ جو کوئی شہادت نہ دے وہ جُذام کی بیماری میں مبتلا ہو جائے۔

امامؑ نے اِس بارے میں بسا اوقات اشارتاً اور بعض اوقات کھلے الفاظ میں گفتگو فرمائی ہے' کیونکہ آپؑ علم و دانش اور حکمت و دانائی کی بنیاد پر اور اسلام و مسلمین کی مصلحت اور مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مسائل سے نمٹتے تھے۔

سوال نمبر ۶۔ اگر آج حضرت علیؑ ہمارے درمیان ہوتے' تو کیا اُن مسلمان جوانوں سے خوش ہوتے جو دنیا کے مختلف گوشوں میں استکبار کے آتشیں ہتھیاروں کے مقابل برسرِ پیکار ہیں؟ اور اگر آپؑ ہمارے درمیان ہوتے' تو آپؑ کا اگلا قدم کیا ہوتا اور وہ مسلمان جوانوں کے ہمراہ کون سی راہ پر گامزن ہوتے؟

جواب: اگر آج حضرت علیؑ ہمارے درمیان ہوتے' تو خود اُنھوں نے جس راہ کا آغاز کیا تھا اُسی پر گامزن ہوتے۔ کیونکہ علیؑ نے جس وقت لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دی اور جب راہِ خدا میں برسرِ پیکار ہوئے اور جب خدا کی خاطر اذیت و آزار پر صبر کیا اور جب امتِ اسلامیہ کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکانے والوں کے ساتھ حکمت و دانائی پر مبنی طرزِ عمل اختیار کیا' تو آپؑ نے یہ سب کچھ اسلام کے وسیع مفاد اور عظیم مصلحتوں کی خاطر کیا تھا۔

اگر حضرت علی علیہ السلام اِس دور میں زندگی بسر کر رہے ہوتے' تو بے شک جہاد و مبارزے میں مصروف یہ جوان علیؑ کے اصحاب اور مجاہدین میں سے ہوتے اور یقیناً یہ جوان امامؑ کے منصوبے اور پلان کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کرتے۔

سوال نمبر ۷۔ خلفا کی حکومت کے پچیس سالہ دور میں حضرت علیؑ کا کیا کردار تھا؟

جواب: حضرت علی علیہ السلام نے اُس دور میں عظیم ترین کردار ادا کیا۔ کیونکہ وہ اِس بات پر یقین رکھتے تھے کہ وہ خلیفہ ہوں یا نہ ہوں امیر المومنین ہیں' وہ منصبِ خلافت پر ہوں یا نہ ہوں اسلام کے

حوالے سے اُن پر ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ اِسی بنیاد پر اُنھوں نے اُن خلفا کے ساتھ بھی تعاون کیا جنھوں نے اُنھیں خلافت سے دور رکھا' اور آپؑ نے بغیر کسی توقع اور مفاد کے اُنھیں اپنے مشوروں اور ضروری نصیحتوں کے ذریعے مشکلات سے نکالا۔

کیونکہ حضرت علیؑ اور دوسروں کے درمیان فرق یہ ہے کہ علیؑ نے اپنا پورا وجود اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا' اور آپؑ کی ذمے داری وہی تھی جو پیغمبر کی ذمے داری تھی۔ (البتہ آپؑ پیغمبرؐ نہ تھے) اِسی لیے آپؑ نے فرمایا تھا کہ: وَوَاللّٰہِ لَاُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ اُمُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ' وَلَمْ یَکُنْ فِیْھَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَیَّ خَاصَّۃً. (خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات ظلم و جور کا نشانہ بنتی رہے گی میں خاموشی اختیار کیے رہوں گا۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۷۲)

اِس طرح پتا چلتا ہے کہ حضرت علیؑ اپنے ماقبل کے تمام خلفا کو نصیحت کیا کرتے تھے۔ نقل کیا جاتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے حضرت عثمان کا دفاع کیا' حتیٰ اُن کے تحفظ کے لیے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو روانہ کیا۔ آپؑ کے اِس عمل کا مقصد یہ نہیں کہ آپؑ اپنے حق سے کنارہ کش ہو گئے تھے' یا آپؑ نے اُسے بھلا دیا تھا' بلکہ آپؑ نے اسلام اور امتِ اسلامیہ کی مصلحت کا خیال رکھا۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم حضرت علیؑ سے وسیع القلبی اور عقیدے کی راہ میں ثابت قدمی کا سبق حاصل کریں' حضرت علیؑ نے اپنی خلافت سے قبل اور اُس کے بعد جو طرزِ عمل اختیار کیا اُس سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔

سوال نمبر ۸۔ بعض محققین حضرت علیؑ کی امامت کے بارے میں نقل ہونے والی روایات کی تفسیر اِس طرح کرتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ صرف ایک فکری اور نظریاتی رہنما ہیں' مسلمانوں کے سیاسی معاملات اور خلافت سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ اِس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب: حضرت علیؑ کو محض ایک نظریاتی اور فکری رہنما قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ آپؑ فقط ایک

عالم اور دانشور کی حیثیت رکھتے ہیں' جبکہ ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کی امامت اور رہبری ایک سیاسی رہبری ہے۔ اس کی دلیل حدیثِ غدیر ہے' جس کا آغاز پیغمبرؐ نے اِس جملے سے کیا تھا کہ: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ؟ (کیا میں مؤمنین پر خود اُن سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟) آنحضرت کا یہ ارشاد' مسلمانوں کی جانوں پر آپ کی حاکمیت کی دلیل ہے' وہ مؤمنین پر خود اُن (مؤمنین) سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن میں دعوت دینے والا' شہادت دینے والا اور پیغمبرؐ قرار دیا گیا ہے: فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ. لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ. (آپ اُنھیں نصیحت کیجیے کہ بے شک آپ کا کام نصیحت ہے' آپ اُن پر مسلط نہیں ہیں۔ سورۂ غاشیہ ۸۸۔ آیت ۲۱) اسی طرح قرآنِ کریم میں پیغمبر کو اور بھی عناوین کا مالک قرار دیا گیا ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا. (اے رسول! ہم نے آپ کو گواہ' بشارت دینے والا' عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا' نیز خدا کی طرف اُس کی اجازت سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۴۵' ۴۶) "سِرَاجًا مُّنِیْرًا" سے مراد ایک فکری اور روحانی بصیرت کی مالک شخصیت ہے' جو لوگوں کا تزکیۂ نفس کرتی اور اُنھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتی ہے: "یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ."

ایک دوسرے مقام پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا عنوان حکومتی ہے' جو پیغمبر کی سیاسی شخصیت کی جانب بھی اشارہ ہے۔ آپ کا یہ عنوان خداوندِ عالم کے اِس کلام میں نمایاں ہے کہ: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ. (رسول' مؤمنین پر خود اُن سے زیادہ حق رکھتا ہے۔ سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۶) اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے اِن حالات میں فرمایا کہ: کیا میں مؤمنین پر خود اُن سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ. (بارِالٰہا گواہ رہنا) اِس کے بعد رسولِ مقبولؐ نے فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ. (جس کسی کا میں مولا ہوں' یہ علی بھی اُس کے مولا ہیں) بالفاظِ دیگر ہر وہ شخص جس پر میں خود اُس سے زیادہ حق رکھتا ہوں' یہ علیؑ بھی اُس پر خود اُس سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اِس کے بعد فرمایا: اَللّٰھُمَّ وَالِ

مَن والاہُ. (بارِالٰہا! جوکوئی علیؑ سے محبت کرے، تو بھی اُس سے محبت فرما)

یہ کلمات شیعہ اور سنّی کتب میں مختلف طریقوں سے نقل کیے گئے ہیں۔ لہٰذا سب پر لازم ہے کہ وہ اِس موضوع کا جائزہ لیں، کیونکہ وہ بات جس کے ہم شیعہ معتقد ہیں، وہ کلامِ الٰہی میں بھی موجود ہے: یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ. (اے پیغمبر! آپ اُس حکم کو پہنچادیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کے پیغام کو پہنچایا ہی نہیں۔ سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۶۷) اِس آیت کی تفسیر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ فرمان امیر المومنین حضرت علیؑ کی ولایت کے اعلان کے بارے میں تھا۔ اور جب پیغمبر اسلامؐ نے خداوندِ متعال کے فرمان کے مطابق حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کردیا، تو ایک اور آیت نازل ہوئی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کردیا ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا ہے۔ سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳)

لہٰذا وہ امامت و رہبری جس کے ہم لوگ معتقد ہیں، وہ تمام میدانوں میں ایک روحانی، فکری، معنوی اور سیاسی رہبری ہے۔ گناہوں سے حضرت علیؑ کی عصمت اِس بات کی دلیل ہے کہ آپؑ کی فکر اور ولایت حق ہے۔ خود آپؑ کا قول ہے کہ: مَا تَرَکَ لِیَ الْحَقُّ مِنْ صَدِیْقٍ. (حق بات کہنے کی وجہ سے میرا کوئی دوست نہیں رہا) اِسی طرح پیغمبر اسلامؐ نے حق سے اُن کی وابستگی کے بارے میں فرمایا ہے کہ: عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ یَدُوْرُ مَعَہٗ حَیْثُمَا دَارَ. (علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ اور حق ہمیشہ اُسی راہ پر گامزن ہوتا ہے جس راہ پر علی چلتے ہیں)

سوال نمبر ۹۔ شیعہ اپنی تاریخی کتب میں ذکر کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کے سامنے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین منصوب کیا، جبکہ کُل چار یا پانچ افراد اِس موضوع پر علیؑ کے ساتھ رہے۔ کیا شیعوں کی یہ بات عقل و منطق کی نگاہ میں قابلِ قبول ہے؟

جواب: اگر ہم حالات اور لوگوں کے افکار و خیالات کے بدل جانے اور اِس بات کا جائزہ لیں کہ

کس طرح اسناد کو تبدیل کیا جاتا ہے' تو ہمیں اِس قسم کی بہت سی مثالیں خود اپنے زمانے میں نظر آئیں گی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ سماجی حقائق پر اثر انداز ہونے والے بہت سے عوامل لوگوں کی پسند' ذوق اور رجحان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت سے ذرائع اور طرز ہائے عمل (چاہے صرف زبانی باتوں کی حد تک ہی ہوں) مسئلے کو اپنے اصل راستے سے دور کرنے میں مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: مَنْ کُنْتُ مَوْلاہُ فَھٰذا عَلِیٌّ مَوْلاہُ. (جس کسی کا میں مولا ہوں' یہ علیؑ بھی اُس کے مولا ہیں) کیا اِس جملے کے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ علیؑ سے بھی محبت کرے۔ یا جس کسی کا میں مددگار ہوں' علیؑ بھی اُس کے مددگار ہیں؟ یا اِس کے معنی یہ ہیں کہ: جس کسی پر میں اُس سے زیادہ حق رکھتا ہوں' یہ علیؑ بھی اُس پر خود اُس سے زیادہ حق رکھتے ہیں؟ اور اِس آخری جملے کے معنی حاکمیت ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ حدیثِ غدیر کا شمار اُن احادیث میں ہوتا ہے جنہیں شیعوں اور اہلِ سنت نے وسیع پیمانے پر نقل کیا ہے۔ اور اِسی وجہ سے اہلِ سنت کی ایک بڑی تعداد اِس کی دلالت اور برہان کے بارے میں تو بحث کرتی ہے' لیکن اِس کی سند اور مدرک کے بارے میں تحقیق نہیں کرتی۔ جبکہ اِس مسئلے پر اِس حوالے سے بھی غور وخوض اور تحقیق کرنی چاہیے۔

جب ہم امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں' تو وہاں اِس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں میں اِن دونوں محترم ہستیوں کا عشق اور اُن سے قلبی محبت پیدا کی ہے۔ اِن دونوں حضراتؑ نے بھی اپنی سیرت اور عمل کے ذریعے اِس عشق کو گہرائی بخشی ہے۔ مثلاً جب امام حسینؑ اہلِ کوفہ کے بیعت کر لینے کے بعد اُن کی طرف روانہ ہوئے تو اثنائے راہ میں آپؑ کی ملاقات فرزدق سے ہوئی۔ فرزدق نے امامؑ کے سامنے اہلِ کوفہ کی حالت بیان کرتے ہوئے کہا کہ: قُلُوْبُھُمْ مَعَکَ وَسُیُوْفُھُمْ عَلَیْکَ. (اُن کے دل آپؑ کی طرف ہیں لیکن اُن کی تلواریں آپؑ کے خلاف)

اِس طرح کی صورتحال سے مشابہ صورتحال کا عراق' لبنان اور دنیا کے دوسرے مقامات پر بہت زیادہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ عوام الناس زبردست جذبات واحساسات کے ساتھ کسی

تحریک کا آغاز کرتے ہیں لیکن بہت زیادہ دیر تک اِن پُر جوش جذبات واحساسات کے ساتھ اُسے جاری نہیں رکھ پاتے۔ اِن باتوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح رسولِ خداؐ کے بعد واقعۂ غدیر کو نظر انداز کر دیا گیا۔

سوال نمبر ۱۰۔ حضرت علی علیہ السلام اہلِ علم و دانش، اہلِ فہم و معرفت کے دوست اور نادان اور جاہل افراد کے دشمن ہیں۔ آپؑ نے اِن جہلا کے خلاف تلوار بھی اُٹھائی، لیکن آپ ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں کہ نادان اور نابلد دشمن کے ساتھ گفتگو اور مکالمہ کیجیے اور: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. (تم بُرائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو بہت اچھا ہے۔ سورۂ فصلت ۴۱۔ آیت ۳۴)

جواب: بھلا کون ہے جو حضرت علیؑ کی طرح گفتگو اور مکالمے کا قائل ہو؟! امامؑ نے خوارج کی جہالت کی وجہ سے اُن کے خلاف جنگ نہیں کی، بلکہ خباب اور اُن کی اہلیہ کے قتل اور مسلمانوں کے لیے راستے بند کرنے جیسے اُن کے حکومت مخالف اقدامات اُن کے خلاف جنگ کا سبب بنے۔ جیسے کہ خود آپؑ نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے: لَا تَقْتُلُوا الْخَوَارِجَ بَعْدِیْ، فَلَیْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَاَخْطَاَهُ كَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَاَدْرَكَهُ. (میرے بعد خوارج کو قتل نہ کرنا۔ اِس لیے کہ جو حق کا طالب ہو اور اُسے نہ پا سکے، وہ اُس شخص کی مانند نہیں جو باطل ہی کی طلب میں ہو اور پھر اُسے پا بھی لے۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۵۹)

حضرت علی علیہ السلام نے خوارج کے ساتھ گفت و شنید کی اور اُن کے تمام نقطہ ہائے نظر کو سُنا اور اُن سے کہا کہ اگر میں گمراہ ہوں (جبکہ حضرت علیؑ سے گمراہی اور غلطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) تو تم لوگ میری گمراہی کا بہانہ بنا کر کیوں اُمتِ محمدی کو گمراہ کر رہے ہو؟ آخر کیوں تم تمام لوگوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہو؟

گفتگو اور مکالمہ کرنے والا کون شخص اِس سطح پر گفتگو کرے گا؟

حضرت علی علیہ السلام کی بڑائی اور عظمت اِس میں ہے کہ آپؑ پیغمبرؐ کے بعد وہ ہستی ہیں جنہوں نے گفتگو کو مقدم رکھا۔ آپؑ وہ ہستی ہیں جس نے دل و جاں سے اسلام کی خدمت کی:

وَوَاللّٰہِ لَاُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ اُمُوْرُ الْمُسْلِمِیْنَ وَلَمْ یَکُنْ فِیْھَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَیَّ خَاصَّۃً. (خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم ونسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات ظلم وجور کا نشانہ بنتی رہے گی میں خاموشی اختیار کیے رہوں گا۔ نہج البلاغہ۔ خطبہ ۷۲)

لیکن ہمیشہ ہی سے زیادہ تر لوگوں کی مشکل یہ رہی ہے کہ وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ فقط تیر وتلوار سے کام لینے والے شخص تھے اور آپؑ اپنے ہر دشمن کے ٹکڑے کر دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ اِس بات سے غافل ہیں کہ خود حضرت علیؑ نے اپنے ایک کلام میں فرمایا ہے کہ:

"فَوَاللّٰہِ مَا دَفَعْتُ الْحَرْبَ یَوْمًا اِلَّا وَاَنَا اَطْمَعُ اَنْ تَلْحَقَ بِیْ طَآئِفَۃٌ فَتَھْتَدِیَ بِیْ وَتَعْشُوْا اِلٰی ضَوْئِیْ وَ ذٰلِکَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقْتُلَھَا عَلٰی ضَلَالِھَا وَ اِنْ کَانَتْ تَبُوْٓءُ بِاٰثَامِھَا."

''خدا کی قسم! میں نے جنگ کو ایک دن کے لیے بھی التوا میں نہیں ڈالا مگر اِس خیال سے کہ شاید اِن میں سے کوئی گروہ میرے ساتھ آملے اور اِس طرح میرے ذریعے ہدایت تک پہنچ جائے اور اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے۔ اور مجھے یہ چیز اُنھیں گمراہی کی حالت میں قتل کر دینے سے زیادہ پسند ہے۔ اگرچہ اپنے گناہوں کے ذمے دار بہرحال یہ لوگ خود ہی ہیں۔'' (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۵۵)

امام علی علیہ السلام جنگ کے خواہش مند نہ تھے بلکہ اُن کا مقصد گمراہ لوگوں کی ہدایت کرنا اور اُنھیں راہِ راست پر لانا تھا۔ لہٰذا اُن کی جنگیں دشمن پر دباؤ ڈالنے کے لیے تھیں کہ شاید اِس ذریعے سے لوگ ہدایت پا جائیں اسلام کا رُخ کر لیں وہ اسلام جس کا خود علیؑ ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اچھی طرح علیؑ کو پہچانیں لیکن اکثر لوگ علیؑ کو اچھی طرح نہیں پہچانتے۔

سوال نمبر ۱۱۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو حضرت علیؑ کی ولایت کو مانتے ہیں اور اُن کی پیروی کا دَم بھرتے ہیں وہ علیؑ شناس نہیں ہیں۔ وہ علیؑ کی تعلیمات سے ذرّہ برابر واقف نہیں

ہیں۔ اِس کلام سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب: یہ بات ہم اُن لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں جن کے لیے لازم ہے کہ وہ وسیع سطح پر علیؑ کی زندگی اور اُن کی تعلیمات سے آگاہ ہوں، لیکن وہ اِن باتوں میں سے کچھ بھی نہیں جانتے۔ معاشرے میں لوگ اپنے گرد ایسے دائرے کھینچ لیتے ہیں جن میں یہ لوگ اپنے تعصب، نفسیاتی وجوہات اور سماجی وابستگیوں کی وجہ سے محصور ہو جاتے ہیں۔ جبکہ علی ابن ابی طالبؑ اُن لوگوں سے بھی گفتگو کرتے ہیں جو واقعاً گمراہی کا شکار تھے۔ آپؑ نے کثرت کے ساتھ خوارج اور طلحہ و زبیر جیسے افراد سے بھی گفتگو کی۔ علیؑ جب کسی سے فکری اختلاف رکھتے تھے، تو یہ جاننے کے باوجود کہ وہ باطل فکر پر ہے، آپؑ اُس سے مکالمہ کرتے اور متنازعہ مسائل میں لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لہٰذا ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کے ساتھ محض اختلاف ہونے پر اُسے زندیق، گمراہ اور کافر کہیں، کیونکہ اِس طرح کا طرزِ عمل کمزور اور متعصب اور نفسیاتی مریض لوگوں کا طرزِ عمل ہوا کرتا ہے۔

ہم میں سے کس کا خوارج جیسی مشکل سے سامنا ہوا ہے؟ یا ہم میں سے کس کا علیؑ کی طرح خلفائے ثلاثہ، طلحہ و زبیر اور معاویہ جیسے حضرات سے سامنا ہوا ہے؟ اِس سب کے باوجود ہم علیؑ کو دیکھتے ہیں کہ وہ سکون اور وقار کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور عقل و منطق کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔

آج ہم علیؑ کی اِس سیرت کے پیرو کتنے افراد تلاش کر سکتے ہیں؟

کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کسی کو محض اِس بنا پر کہ اُس سے ہمارا بعض باتوں پر اختلاف ہے، دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیتے ہیں؟!

اِس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم علیؑ سے اسلام کو اُس کی تمام قدرت اور وسعت کے ساتھ سیکھیں۔

☆☆☆

قال النبی ص
یا علی لا یحبک الا مؤمن ولا یبغضک الا منافق